کرنسی نوٹ

WWW.NAFSEISLAM.COM

كفل الفقيه الفاهم

ســوال : ''اللہ تعالٰی آپ کی عمر دراز فرمائے'' کرنسی نوٹ کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں اس سے متعلق چند باتیں دریافت کرنی ہیں۔

1......! کیا یہ نوٹ مال (Property) ہے یا تحریری اقرارنامہ (Stamp Paper) کی طرح کوئی سند (Cheque)؟

2...... ! جب نوٹ کی مالیت نصاب (Minmum Amount Of Property Liable for paying Zakat) تک پہنچ جائے اور اس پر سال بھی گذر جائے تو نوٹ پر زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں؟

3......! کیا اسے مہر (Dower) میں دینا درست ہے؟

4...... ! اگر کوئی اسے محفوظ مقام سے چوری کرے تو اسکا ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا یا نہیں؟

5......! اگر کوئی شخص کسی کا نوٹ ضائع کردے تو اس کے بدلے میں نوٹ ہی دینا ہوگا یا چاندی کے روپے بھی دیئے جاسکتے ہیں؟

6......! کیا اس نوٹ کو چاندی کے روپوں[2] یا سونے کی اشرفیوں یا تانبے کے پیسوں کے بدلے میں بیچنا جائز ہے؟

7......! اگر نوٹ کے عوض کپڑے خریدے جائیں تو یہ خرید وفروخت بیع[3] مطلق (Absolute Sale) ہوگی یا مقایضہ[4] (Barter Sale)؟

8......! کیا اس نوٹ کو بطور قرض دینا جائز ہے اگر جائز ہے تو ادائیگی قرض کے وقت نوٹ ہی واپس کیئے جائیں گے یا چاندی کے روپے بھی دیئے جاسکتے ہیں؟

9......! کیا کرنسی نوٹ کو چاندی کے روپوں کے بدلے میں ایک معین مدت تک کے لئے بطور قرض بیچنا جائز ہے؟

10......! کیا اس نوٹ میں بیع سلم[5] (V.alivrer) جائز ہے۔

11......! کیا نوٹ کو اس کی مالیت سے کم یا زیادہ قیمت کے بدلے بیچنا جائز ہے مثلاً بارہ کا نوٹ دس یا بیس کے نوٹ کے عوض بیچنا؟

12......! کیا یہ صورت کہ (ایک شخص جس کا فرضی نام زید ہے) جب عمرو (دوسرا شخص جس کا فرضی نام عمرو ہے) سے قرض لینا چاہئے تو عمرو کہے کہ روپے تو میرے پاس نہیں البتہ دس کا نوٹ بارہ روپے کے عوض تجھے ایک سال تک کے لئے قسطوں (Portion) پر بیچتا ہوں اس شرط پر کہ تم ہر مہینہ مجھے ایک روپیہ بطور قسط ادا کروگے جائز ہے؟ یا پھر یہ صورت سود (Usury) کا حیلہ (Stratagem) ہونے کی وجہ سے منع ہے اور اگر یہ صورت جائز ہے تو اس میں اور سود (Usury) میں کیا فرق ہے کہ یہ حلال اور سود (Usury) حرام ہے حالانکہ دونوں سے مقصود (Revert) زائد مال کا حصول ہے۔ ہمیں جواب عطا فرما کر بروز قیامت اجر حاصل کیجئے۔

الجواب: **اللھم لک الحمد یا وھاب الھی** ہمارے سردار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو تیری طرف بہت ہی رجوع کرنے والے ہیں ان پر اوران کی آل وازواج مطہرات اور تمام صحابہ کرام پر رحمت اور سلامتی نازل فرما میں تجھ سے حق اور درستگی کی رہنمائی کا سوال کرتا ہوں۔

اے سوال کرنے والے ﴿اللہ تعالٰی ہم دونوں کو توفیق عطا فرمائے اور ہماری رہنمائی فرمائے﴾ یہ جان لو کہ نوٹ نہایت جدید اور نئی چیز (New Invention) ہے تمہیں علماء کرام کی کتب میں اس کا ذکر بھی نہیں ملے گا یہاں تک کہ ماضی قریب کے فقیہ علماء (The Religious Lawyer Of Islam) ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم عصر علماء کی کتب بھی نوٹ کے ذکر سے خالی ہیں WWW.NAFSEISLAM.COM ان ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کی محنت قبول فرما کر ہمیں ان کی برکتوں سے فیضیاب فرمائے جنہوں نے اس دین اسلام کے مسائل کافی تفصیل سے بیان فرمادیئے ہیں اور اب یہ شریعت اس قدر روشن ہوچکی ہے کہ اس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے۔ الحمد للہ علماء کرام نے ایسے قواعد (Rules) ترتیب دیئے ہیں جن کے ذریعے سے بے شمار مختلف نوعیتوں کے مسائل کے شرعی احکام معلوم کیئے جاسکتے ہیں اگرچہ نئی ایجادات کا سلسلہ جاری رہے گا مگر ان کے شرعی احکام ان احکامات کے دائرہ سے باہر نہ نکلیں گے جو ہمیں ائمہ کرام سے حاصل ہوئے اور اگر اللہ نے چاہا تو ہر دور میں ایسے علماء موجود ہوں گے جنھیں اللہ تعالٰی کتاب وسنت اور ائمہ کے بنائے ہوئے قواعد (Rules) سے نئی پیدا شدہ چیزوں کے شرعی احکامات نکالنے (Extradiction) کی توفیق عطا فرمائے گا۔

بعض لوگ ذہن کے تیز ہوتے ہیں اور بعض کند ذہن ہوتے ہیں اور انسان کبھی غلطی کرتا ہے کبھی درستگی (Accuracy) تک پہنچتا ہے اور علم تو اسی

نور کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کے دل میں چاہے ڈال دے اس لئے اللہ تعالیٰ سے توفیق اور ہدایت طلب کرنا نہایت ضروری ہے اور ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے ہمیں اس پر اور پھر اس کے رسول ﷺ پر بھروسہ ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر اور کرم فرمانے والا ہے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ پر رحمت نازل فرمائے۔

میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں، کیونکہ اسی کی توفیق سے تحقیق (Research) کی بلندیوں تک پہنچنا ممکن ہے، کہ آپ کا پہلا سوال آپ کے تمام سوالات کی اصل و بنیاد (Base) ہے کیونکہ جب نوٹ کی حقیقت آشکار ہو جائے گی تو اس سے متعلق تمام احکام بھی واضح ہو جائیں گے۔

نوٹ کی حقیقت کا بیان :

کرنسی نوٹ کی حقیقت تو یہ ہے کہ یہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے اور کاغذ ایک قیمت والا مال (Valuable Property) ہے اور اس پر مہر لگنے کی وجہ سے لوگ اس کی طرف مائل ہو گئے اور اسے وقت ضرورت کے لئے جمع کر کے رکھنے لگے اور مال (Property) کی تعریف (Defination) بھی یہی ہے کہ لوگ اس کی طرف مائل ہوں اور اسے وقت ضرورت کے لئے جمع کر کے رکھنا ممکن ہو۔ جیسا کہ فقہ کی معتبر کتب بحر الرائق اور فتاویٰ شامی وغیرہما میں ہے نیز یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ شریعت مطہرہ نے جس طرح مسلمانوں کو شراب اور خنزیر سے نفع اٹھانے سے منع کیا ہے اس طرح سے کاغذ کے ٹکڑوں سے اپنی مرضی کے مطابق نفع اٹھانے سے منع نہیں کیا اور کسی چیز کے قیمت والا مال (Valuabel Property) ہونے کا دارومدار اسی بات پر ہے کہ شریعت مطہرہ نے اس سے نفع اٹھانے سے منع نہ کیا ہو جیسا کہ فتاویٰ شامی میں ہے۔

مال کی تعریف:

اسی فتاویٰ شامی میں اصول فقہ کی معتبر کتاب تلویح کے حوالے سے لکھا ہے کہ "مال وہ چیز ہے جسے وقت حاجت کے لئے جمع کیا جائے اور مال (Property) کے لئے اس کا قیمت والا (Valuable) ہونا ضروری ہے اور اسی فتاویٰ شامی میں بحر الرائق اور الحاوی القدسی کے حوالے سے منقول ہے" کہ آدمی کے علاوہ ہر وہ چیز مال کہلاتی ہے جسے آدمی کے فائدے کے لئے پیدا کیا گیا ہو اور اسے حفاظت سے رکھا جانا ممکن ہو اور آدمی اسے اپنی مرضی سے استعمال کر سکے۔

نوٹ کا جزئیہ:

محقق علی الاطلاق علامہ ابن الھمام "فتح القدیر" میں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اپنے کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار روپے میں بیچے تو یہ بیع بلا کراہت جائز ہے اور اگر تحقیقی نظر سے دیکھا جائے تو بذات خود یہی قول کرنسی نوٹ کی اصل ہے جسے امام ابن ہمام رضی اللہ عنہ نے نوٹ ایجاد ہونے سے ۵۰۰ سال پہلے ہی پیش فرما دیا تھا اور نوٹ بھی تو کاغذ کا وہی ٹکڑا ہے جو ہزار روپے میں بکتا ہے اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ایسی کرامات تو ہمارے علماء کرام رحمہم اللہ سے صادر ہوتی ہی رہتی ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا اور آخرت میں ان کی برکات سے فیضیاب فرمائے۔ آمین

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ نوٹ بذات خود ایک قیمت والا مال (Valuable Property) ہے اس کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور اسے ہبہ (Donate) کیا جاتا ہے اور نوٹ میں وراثت (Inheritanes) بھی جاری ہوتی ہے نیز مال کے تمام احکامات بھی اس پر جاری ہوتے ہیں۔

نوٹ کے رسید ہونے کا مطلب:

میں کہتا ہوں کہ یہ گمان بالکل غلط ہے کہ نوٹ تحریری اقرار نامہ (Written Agreement) کی طرح کوئی رسید (Recipte) ہے رسید کا مطلب یہ ہے کہ جو گورنمنٹ اسے رائج کرتی ہے نوٹ لینے والوں سے (سونا یا چاندی) کے روپے قرض لیتی ہے اور انہیں ثبوت کے طور پر قرض کی مالیت کے نوٹ دے دیتی ہے اور جب وہ لوگ گورنمنٹ کو نوٹ واپس کر دیں تو گورنمنٹ انکا قرض واپس ادا کر دیتی ہے اور اگر یہ لوگ عوام میں سے کسی کو یہ نوٹ دے دیں تو گورنمنٹ ان دوسروں سے قرض لے کر ان پہلے لوگوں کا قرض ادا کر دیتی ہے تو وہ لوگ ان دوسروں کو بطور ثبوت یہ نوٹ دے دیتے ہیں تا کہ وہ ان نوٹوں کے ذریعے سے مقروض گورنمنٹ سے اپنا قرض وصول کر سکیں۔ اسی طرح سے قرض جتنے لوگوں کے ہاتھوں میں جائے گا قرض اور رسید کا تکرار (Repetition) ہوتا رہے گا نوٹ کے رسید ہونے کے تو یہی معنی ہیں۔

حالانکہ ایک سمجھدار بچہ بھی یہ بات جانتا ہے کہ جو لوگ نوٹ کا لین دین کرتے ہیں ان میں سے کسی کے دل میں ان باتوں کا خیال تک نہیں آتا اور نہ ہی کبھی اس لین دین سے قرض یا تحریری اقرار نامہ (Writtn Agreement) کا ارادہ کرتے ہیں نیز آپ نے کسی بھی ایسے شخص کو نہیں

دیکھا ہوگا جو لوگوں کو قرض دیتا ہو اور اپنے قرض کے رجسٹر میں اس شخص کا نام لکھے جس نے نوٹ دیکر اس سے چاندی کے روپے وصول کیئے ہوں اور اپنی زندگی بھر میں اس سے یہ کہا ہو کہ تم میرا قرض ادا کر کے اپنی رسید مجھ سے وصول کرلو اور نہ ہی کسی ایسے شخص کو دیکھا ہوگا جو لوگوں کا مقروض ہو اور اپنے رجسٹر میں اس شخص کا نام لکھتا ہو جسے نوٹ دیکر اس نے روپے وصول کیئے ہوں اور مرتے وقت کہتا ہو کہ فلاں کا مجھ پر اتنا قرض ہے اسے ادا کر کے میری رسید(Recipte) اس سے واپس لے لینا۔

اور وہ ظالم و بے باک لوگ جو اعلانیہ سود کھاتے ہیں اور قرض وصول ہونے تک سود کی ماہوار شرح مقرر کیئے بغیر کسی کو ایک روپیہ بھی قرض نہیں دیتے وہ لوگ بھی نوٹ لے کر چاندی کا روپیہ دیتے ہیں اور اس پر ایک پیسہ بھی زائد نہیں مانگتے نہ مہینے کے بعد اور نہ ہی سال کے بعد۔ اگر وہ اسے قرض سمجھتے تو زائد رقم وصول کرنا ہرگز نہ چھوڑتے۔

پس حق یہ ہے کہ سب لوگ نوٹ سے لین دین اور خرید و فروخت ہی کا قصد کرتے ہیں نوٹ دینے والا یقیناً جانتا ہے کہ میں روپے لے کر نوٹ اپنی ملک (Ownership) سے خارج کر چکا ہوں اور نوٹ لینے والا یقیناً جانتا ہے کہ میں روپے دیکر نوٹ کا مالک(Owner) ہو گیا اور وہ شخص نوٹ کو روپوں، اشرفیوں اور پیسوں کی طرح اپنا مال اور پونجی (Wealth) سمجھتا ہے اور اسے جمع کر کے رکھتا ہے اور ہبہ(Donate) کرتا ہے اور اس کے بارے میں وصیت(Will) کرتا ہے اور اسے صدقہ کرتا ہے اور لوگ اسے خرید و فروخت ہی سمجھتے ہیں اور تجارت ہی کا قصد کرتے ہیں۔

اور یہ ایک طے شدہ اصول ہے کہ لوگوں کے معاملات میں ان کی نیتوں کا اعتبار ہوتا ہے۔ کیونکہ اعمال کا دار و مدار نیتوں ہی پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی وہ نیت کرے لہٰذا ثابت ہوا کہ لوگوں کے نزدیک نوٹ ایک قیمت والا مال (Valuable Property) ہے اسے حفاظت سے رکھا اور جمع کیا جاتا ہے اور لوگ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں اس کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور اس پر قیمت والے مال (Valuable Property) کے تمام احکام نافذ ہوتے ہیں۔

کرنسی نوٹ کی اعلیٰ قیمتوں کا بیان:

جہاں تک نوٹ کی اعلیٰ قیمتوں کا تعلق ہے مثلاً ایک کاغذ کا ٹکڑا دس روپے کا، دوسرا سو روپے اور تیسرا ہزار کا تو میں اس کے بارے میں یہ کہوں گا کہ ہم "فتح القدیر" کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ "کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار روپے میں بیچا جاسکتا ہے اور اس کے جواز کے لئے فقط خریدار اور فروخت کنندہ کا راضی ہونا ہی کافی ہے" پھر نوٹ کے تو کیا کہنے کہ جس کے طریقہ استعمال پر تمام لوگ راضی ہوں اور کاغذ کے ان ٹکڑوں کی یہ قیمت اپنی اصطلاح (Terminology) میں مقرر کرلیں نیز گورنمنٹ اسٹامپ(Stamp) شرع مطہر کے نزدیک بھی قابلِ قدر ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر کسی شخص نے مہر والے چاندی کے دس روپے(Old Currency) چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا حالانکہ اگر کوئی شخص دس درھم کے وزن کے برابر چاندی جس پر مہر نہ لگی ہو اور اس کی قیمت دس درھم سے کم ہو چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔9 جیسا کہ ھدایہ اور عامہ کتب میں اس پر دلیل مذکور ہے اسی طرح سے ایک روپے(One Rupee Of Silver) میں مہر والے جتنے پیسے(Stamped Coins) ہوتے ہیں اگر تم ان کے وزن کے برابر تانبا تولو تو وہ ہرگز ایک روپے کی قیمت کا نہیں ہوگا بلکہ بعض اوقات تو وہ تانبا اٹھنی(Coin Of 50 paisa) کی قیمت کا بھی نہیں ہوتا اور تم چاندی کے سکوں میں بھی ایسا تجربہ کر سکتے ہو۔ کچھ عرصہ پہلے ہمارے ملک میں دو روپے کے وزن کے برابر چاندی ایک روپے میں بکتی تھی اور جاہل لوگ اس میں پائے جانے والے سود(Usury) کے وبال کو فراموش کر کے چاندی خریدتے تھے جب مہر

لگنے سے چاندی کی قیمت دگنی ہوگئی تو اب دگنی اور چار گنا زیادتی سب برابر ہے اور یہ بات بھی ہر عقل سلیم رکھنے والے پر ظاہر ہے کہ بعض اوقات کوئی حقیر شئے کسی وصف(Description) یا اضافی خوبی کی بنا پر اپنے جیسی ہزاروں چیزوں سے مہنگی اور زیادہ قیمتی ہو جاتی ہے جیسا کہ بارہا ایسا ہوا کہ کسی کنیز کو دو لاکھ سے زائد قیمت میں خریدا گیا اور دوسری کنیز کو کوئی چاندی کے ۳۰ روپوں میں بھی خریدنے کو تیار نہیں حالانکہ شرع میں اوصاف کی قیمت نہیں ہوتی بلکہ ذات(Infocus) کی ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر کنیز کے ہاتھ پاؤں جان بوجھ کر ہلاک نہ کیئے جائیں تو وہ ثمن(Cost) ذات ہی کا ہے جسے بعض صفات کی وجہ سے طلب میں ہونے والے اضافے نے بڑھا دیا ہے۔

کتابت(Writting) مال نہیں :

(اب مصنف علیہ الرحمہ اپنے اس دعویٰ پر دلیل بیان کر رہے ہیں دعویٰ یہ ہے کہ کسی شے میں اگر کوئی خوبی پیدا ہو جائے تو اصل شے کی قیمت بڑھ جاتی ہے چنانچہ کاغذ کے ٹکڑے پر جب(Stamp) لگ گئی تو اس کی قیمت کبھی سو کبھی ہزار روپے تک ہوگی)

چلیئے یہ بتائیے کہ اگر کسی کاغذ پر ایک نادر و نایاب علم(Rare Know Ledge) لکھا ہو اور کوئی اس علم کا قدردان اس کا طلبگار ہو وہ اس کاغذ کو دس ہزار روپے میں خریدے تو کیا اس نے کوئی خلاف شرع کام کیا؟ ہرگز نہیں بلکہ جائز و حلال طریقہ کے مطابق عمل کیا اور یہ بات قرآن عظیم اور

امت مسلمہ کے اجماع سے بھی ثابت ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم (مگر یہ کہ سودا تمہاری آپس کی رضامندی کا ہو) اور یہ دس ہزار جو اس شخص نے ادا کیئے وہ اس لکھے ہوئے علم کی قیمت نہیں کیونکہ وہ تو مال ہی نہیں!! جیسا کہ ہدایہ اور ان دیگر کتب میں بھی اس کی تصریح موجود ہے جن میں مسائل کو دلائل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور ہدایہ کی عبارت یہ ہے کہ قرآن پاک چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگر چہ اس پر سونا چڑھا ہوا ہو کیونکہ لکھائی کے اعتبار سے تو وہ مال نہیں اور اس کی حفاظت تو الفاظ قرانیہ کی وجہ سے کی جاتی ہے نہ کہ جلد اور سونے کے نقوش کی وجہ سے کیونکہ یہ چیزیں تو الفاظ کے تابع ہیں اور کسی قسم کے رجسٹر میں بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ رجسٹر سے مقصود اس میں لکھی جانے والی تحریریں ہوتی ہیں اور وہ مال نہیں ہوتیں مگر حساب و کتاب کا رجسٹر چرانے کی صورت میں ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ اس میں جو لکھا ہوتا ہے وہ دوسرے کے کام کا نہیں ہوتا لہٰذا اس چوری سے مقصود کاغذ ہی ہوتے ہیں "انتہی"۔ لہٰذا جب کاغذ کے ایک ورق کی قیمت اس تحریر کی وجہ سے دس ہزار تک پہنچ گئی تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے کہ نوٹ پر لکھائی کے سبب اس کی قیمت دس روپے یا زائد ہو گئی اور اس وجہ سے لوگ اس کی طرف مائل ہوئے شرع نے بھلا اس سے کب روکا ہے۔

مال (Property) کی چار اقسام اور ان کی فقہی بحث:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسئلہ واضح و روشن ہے بات دراصل یہ ہے کہ بحر الرائق وغیرہ کتب میں ہے کہ مال کی چار قسمیں ہیں۔

1......! وہ مال جو ہر صورت میں ثمن (Money) ہی رہے جیسے سونا اور چاندی یہ ہمیشہ ثمن (Money) ہی رہیں گے چاہے ان کو کسی شے کے عوض بیچا جائے یا ان کے عوض کسی چیز کو بیچا جائے اپنی جنس کے بدلے لین دین ہو یا غیر جنس کے بدلے اہل عرف انہیں ثمن (Money) کہیں یا نہیں جیسے سونے' چاندی کے برتن وغیرہ کہ یہ اس میں ہونے والی بناوٹ (Designing) کی وجہ سے خالص ثمن (Pure Money) نہ رہے اسی لئے یہ عقد بیع میں متعین (Fixed) ہو جائیں گے اور ان کی بیع شرعاً بیع صرف (Money Exchang) ٹھہرے گی اور اس میں صرف کی تمام شرائط جاری ہوں گی کیونکہ سونا اور چاندی کو ثمنیت ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز میں تبدیلی نہیں آتی۔

2......! وہ مال جو ہر حال میں مبیع (Selling Good Or Mar Chandise) رہے جیسے کپڑے اور چوپائے کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ فلاں چیز ان کے بدلے میں بیچی یا ان کو کسی بھی چیز کے بدلے بیچا جائے وہ چیز کبھی بھی ذمہ پر دین ہو کر لازم نہیں ہوگی اور ثمنیت کے معنی بھی یہی ہیں کہ وہ شے ذمہ پر دین ہو کر لازم ہو لہٰذا یہاں یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ بیع مقایضہ (Barter Sale) میں دونوں متاع (Goods) ایک لحاظ سے ثمن (Money) ہوتے ہیں علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے علامہ طحطاوی کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اسی طرح کی توجیہ فرمائی ہے۔

میرے خیال میں یہاں ایک اعتراض ہو سکتا ہے وہ یہ کہ سونے سے بنائی گئی اشیاء مثلاً برتن یا کنگن بھی ذمہ پر دین نہیں ہوتے بلکہ عقد (Contract) میں متعین (Fixed) ہو جاتے ہیں (یعنی جن برتنوں یا کنگنوں کے عوض بیع ہوئی ہے وہی دینا ہوں گے) جیسے کہ بحر الرائق کے حوالے سے گزرا لہٰذا اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تو اس پر اعتراض وارد ہوگا میرے نزدیک اس کا صاف جواب یہ ہے کہ بیع مقایضہ میں ہر شے مبیع (Mar Chandise) ہوتی ہے ثمن خالص (Pure Money) نہیں ہو سکتی اگر چہ ایک لحاظ سے ثمن (Money) بھی ہوتی ہے کیونکہ بیع (Sale) کے لئے مبیع (Mar Chandise) اور ثمن (Money) دونوں کا ہونا ضروری ہے بخلاف آئندہ آنے والی قسم کے کیونکہ وہ کبھی خالص ثمن (Pure Money) ہوتی ہے اور کبھی خالص مبیع (Mar Chandise) ان دونوں قسموں کے معنی یہی ہیں کہ ان سے ان کا ثمن (Money) یا مبیع (Mar Chandise) ہونا کسی حالت میں بھی جدا نہ ہو سکے اگر چہ بعض اوقات اسے دوسرا رخ بھی عارض ہو جاتا ہے مصنف نے کپڑوں کی گذشتہ مثال کو مطلق (Absolute) رکھا اور شرح و حواشی میں بھی اس کے اطلاق کو برقرار رکھا ہے حالانکہ اس سے مراد وہ کپڑے ہیں جو مالیت میں برابر نہ ہوں ورنہ اگر کپڑے کی جنس (Species) ذکر کرنے سے مثلاً روئی' کتان یا کارخانے کے ذکر سے' شام و مصر کا کام کہنے سے' باریک یا موٹا ہونے سے' یا لمبائی اور چوڑائی کی پیمائش سے اور اگر تول کر بیچے جاتے ہوں تو وزن سے کپڑے کی نوعیت (Quality) کا اندازہ ہو سکے تو وہ تیسری قسم سے ہوں گے اسی بنا پر اس میں بیع سلم (V.alivrer) جائز ہے۔

3......! وہ مال جس کی ذات (Infocus) میں ایسا وصف (Description) پایا جائے جس کے سبب وہ کبھی مبیع (Mar Chandise) ہو اور کبھی ثمن (Money) بن جائے میرا یہ کہنا تنویر الابصار کے اس قول کی طرح نہیں کہ ایک جہت سے ثمن (Money) ہو اور ایک جہت سے مبیع (Sold) تا کہ مقایضہ (Barter Sale) والی بات کا اعادہ (Repetition) نہ ہو جائے (کیونکہ یہ بات تو دوسری قسم میں موجود ہے) بلکہ میں نے اس قید (Restriction) "اس کی ذات میں کوئی ایسا وصف ہو جس کے سبب وہ کبھی مبیع ہو اور کبھی ثمن (Money) " کا اضافہ اس لئے کیا ہے تا کہ یہ مال کی چوتھی قسم سے خارج ہو جائے کیونکہ وہ اپنے اندر پائے جانے والے وصف کی بنا

پر نہیں بلکہ اصطلاح (Terminalogy) اور عدم اصطلاح کی بنا پر کبھی ثمن (Money) ہوتی ہے اور کبھی (Mar Chandise)۔

اس تیسری قسم کے مال سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کو مثلی (Similar Things) کہتے ہیں (مثلی سے مراد وہ اشیاء ہیں جنہیں ناپ یا تول سے بیچا جاتا ہے مثلاً گندم، کھجور، سونا، چاندی اور مثلی کے مقابل قیمی اشیاء ہیں اس سے مراد وہ اشیاء ہیں جو ناپ یا تول کر نہیں بیچی جاتیں مثلاً کپڑا، جانور وغیرہ) ان کے خرید و فروخت کی دو صورتیں ہیں (پہلی) یہ کہ ان کی بیع سونے یا چاندی کے عوض کی جائے اس صورت میں یہ مثلی چیزیں (Similar Things) مطلقاً (Mar Chandise) ہوں گی خواہ بیع میں عوض انہیں ٹھہرایا گیا ہو یا سونے' چاندی کو اور یہ چیزیں معین ہوں یا غیر معین مثلاً اگر تو یوں کہے کہ میں نے یہ سونا اتنے من گیہوں کے عوض بیچا یا اس طرح کہے کہ اس گیہوں کے عوض بیچا (یعنی یا تو مقدار کا ذکر کردے یا بیچی جانے والی شے کو اشارہ کر کے متعین کردے) تو گیہوں دونوں صورتوں میں مبیع ہے اگر گیہوں معین ہو تو بیع مطلق ہوگی اور اگر غیر معین ہو تو بیع سلم (V.alivrer) ہوگی اور اس میں سلم کی شرائط کا پایا جانا ضروری ہوگا۔

اور (دوسری) صورت یہ ہے کہ مثلی چیز (Similar Things) کو سونے اور چاندی کے علاوہ کسی اور شے کے عوض بیچا جائے اس صورت میں اگر مثلی چیز (Similar Things) کے عوض کسی چیز کو بیچنا کہا جائے تو یہ مثلی چیزیں (Similar Things) ہر حال میں ثمن (Money) ہی رہیں گی چاہے معین ہوں یا غیر معین مثلاً کسی نے کہا کہ میں نے یہ کپڑا اتنے گیہوں یا اس گیہوں کے بدلے میں بیچا گیہوں معین ہوں یا غیر معین دونوں صورتوں میں بیع مطلق ہوگی اور وہ گیہوں ذمہ پر لازم ہو جائے گا اور اگر یہ کہا جائے کہ میں نے مثلی چیز (Similar Things) کو کسی شے کے عوض بیچا تو اگر یہ چیز معین ہو تو ثمن (Money) ہے مثلاً یوں کہا کہ میں نے یہ گیہوں اس کپڑے کے عوض بیچے (تو گیہوں ثمن ہیں) اور اگر معین نہ ہو تو مثلی چیز (Similar Things) مبیع ہیں مثلاً یہ کہا کہ میں نے اتنے من گیہوں اس غلام کے عوض بیچے (تو گیہوں مبیع ہیں) حالانکہ یہ صورت سلم کی شرائط پائے جانے کی وجہ سے بیع سلم (V.alivrer) ہے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مثلی چیز (Similar Things) کو اگر سونے اور چاندی کے عوض بیچا جائے تو یہ مطلقاً مبیع (Mar Chandise) ہوں گی اور اگر سونے چاندی کے علاوہ کسی اور شے کے عوض بیچیں تو اس کی تین صورتیں ہوں گی (۱) اگر مثلی چیزوں (Similar Things) کے عوض کوئی چیز بیچنا کہا تو یہ مطلقاً ثمن (Money) ہوں گی' (۲) اور اگر مثلی چیزوں (similarThings) کو کسی شے کے عوض بیچنا کہا جائے تو اگر یہ معین ہوں تو ثمن (Money) ہیں' (۳) اور غیر معین ہوں تو مبیع (Sold) اور یہ علامہ شامی رحمہ اللہ کے کلام کی وضاحت ہے اور اس انداز کی وضاحت فتاوی شامی میں بھی نہیں۔

4......مال کی چوتھی قسم وہ ہے کہ حقیقت میں تو متاع (Chattels) ہو مگر رواج کے اعتبار سے ثمن (Currency) ہو جیسا کہ پیسے کہ جب تک چلتے رہیں گے ثمن (Currency) کی طرح ہیں اور جب ان کا چلن (Current) ختم ہو جائے گا تو یہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائیں گے (اور ان کی حیثیت محض دھات کے ٹکڑوں کی سی رہ جائے گی) اور بلاشبہ اہل اصطلاح جب کس چیز کو ثمن (Currency) قرار دینا چاہیں تو ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس چیز کی ثمنیت کی مقدار (Quantity) مقرر کرنے میں ثمن خلقی (Real Money) کی طرف رجوع کریں کیونکہ عارضی چیز کا قیام تو ذاتی ہی کے سبب سے ہوتا ہے اسی لئے اہل اصطلاح چونسٹھ ہندی پیسے یا کیس عربی ہللے (سکے) ایک روپے کے برابر قرار دیتے ہیں اور انہیں یہ اختیار ہے کہ جو اصطلاح (Terminology) چاہیں مقرر کرلیں کیونکہ اصطلاح مقرر کرنے میں کوئی روک ٹوک نہیں۔

۴۰ سال پہلے ہندوستان میں دو طرح کے سکے رائج تھے (۱) مہر والا سکہ (۲) تانبے کے تکونی شکل والے لمبے ٹکڑے جو کہ وزن میں مہر والے سکے سے ڈبل ہوتے تھے۔ مہر والے پورے ۶۴ سکے ایک روپے کے برابر ہوتے تھے جبکہ تانبے کے ٹکڑوں والے سکے کی قیمت میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی اور بعض اوقات تو ایک روپیہ اس قسم کے ۸۰ سکوں کے برابر ہو جاتا تھا یہاں تک کہ ان سکوں کا رواج ختم ہوا اور ان کی ثمنیت (کرنسی) کی حیثیت بھی ختم ہوگئی اور یہ سب اصطلاح ہی کے سبب ہوا اور شرع مطہرہ کی طرف سے (اصطلاح مقرر کرنے) میں کوئی روک ٹوک نہیں۔

اتنی تفصیل کے بعد یہ مسئلہ واضح ہوگیا کہ نوٹ مال کی اس چوتھی قسم میں سے ہے کیونکہ حقیقۃً یہ کاغذ کا ٹکڑا ہونے کی وجہ سے متاع (محض سامان (Chattels) ہے اور اصطلاح میں اس کے ساتھ ثمن (Currecy) کی طرح کا معاملہ کیا جاتا ہے لہذا یہ اصطلاحی ثمن (Currecy) ہے اور جو رقم نوٹ پر لکھی ہوتی ہے وہ ثمن خلقی (Real Money) یعنی سونا' چاندی کے مقابلے میں نوٹ کی ثمنیت کی مقدار (Quantity) ہوتی ہے اور نوٹ کا ثمن (Currency) ہونا چونکہ ایک اصطلاح (Terminology) ہے لہذا اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور نہ ہی اس کی توجیہ کا سبب دریافت کیا جائے گا۔

بحمد اللہ الفتاح القدیر اس تقریر سے نوٹ کی حقیقت واضح ہوگئی اور چونکہ نوٹ کے تمام احکام اسی حقیقت پر مبنی ہیں لہذا اب ان شاء اللہ عزوجل کسی حکم کے

اظہار میں کوئی دشواری رکاوٹ نہیں بنے گی۔

اور بے شک تمام خوبیاں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو ہر چیز کا نگہبان اور عظمتوں والا۔

سوال ۱: نوٹ مال(**Property**) ہے یا تحریری اقرارنامہ(**Stamp Paper**) کی طرح کوئی سند(**Chaque**) ؟

جواب: آپ کے سوال کا جواب تفصیل سے دیا جاچکا ہے مزید اضافہ کی ضرورت نہیں (یعنی نوٹ مال ہے۔ گذشتہ چار اقسام میں سے چوتھی قسم کا مال)۔

سوال ۲: جب یہ نوٹ زکوٰۃ کے نصاب(**Minmum Amount Of Property Liable for Paying Zakat**) تک پہنچ جائیں اور ان پر سال گزر جائے تو ان پر زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں؟

الجواب: جی ہاں! زکوٰۃ کی شرائط پائی جائیں تو نوٹ پر زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ آپ جان چکے ہیں کہ نوٹ بذات خود ایک قیمت والا مال (**Valuable Property**) ہے۔ دستاویز(**Stam Paper**) یا قرض کی رسید(**Reciept**) نہیں کہ جب تک نصاب کا پانچواں حصہ قبضہ میں نہ آئے۔ زکوٰۃ واجب نہ ہو(کیونکہ قرض وغیرہ کی صورت میں جب تک نصاب کا پانچواں حصہ قبضہ میں نہ آئے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی)۔ اور نوٹ میں تجارت کی نیت کی بھی حاجت نہیں کیونکہ فتویٰ اس بات پر ہے کہ ثمن اصطلاحی(**Currecny**) جب تک رائج رہیں گے ان پر زکوٰۃ واجب ہے بلکہ نوٹ سے تجارت کی نیت جدا ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ لین دین کے بغیر ثمن اصطلاحی سے نفع لیا ہی نہیں جاسکتا اور یہ بات بالکل ظاہر ہے۔

فتاویٰ علامہ قاری الہدایہ میں ہے کہ فتویٰ اس بات پر ہے کہ پیسے جب تک رائج رہیں گے ان پر زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ وہ دوسو درہم (ساڑھے باون تولے) چاندی یا بیس مثقال (ساڑھے سات تولے) سونے کی قیمت کو پہنچے ہوں اور جو نوٹ زکوٰۃ کا سال مکمل ہونے سے پہلے ملے اسے اپنی جنس کے نصاب یا قیمت لگا کر سونے چاندی سے ملا دیا جائے جیسا کہ تجارتی سامان کا حکم ہے۔" انتہی"

سوال ۳: کیا نوٹ کو مہر(**Dower**) میں دینا درست ہے؟

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اگر عقد نکاح کے وقت اس کی قیمت سات مثقال (دس درہم چاندی) کے برابر ہو تو اسے مہر(**Dower**) میں دینا درست ہے کیونکہ مہر میں دی جانے والی شے کی مالیت کم از کم دس درہم ہونا ضروری ہے اور اس کی وجہ آپ گزشتہ بیان میں جان چکے ہیں۔ اور اگر نوٹ کی قیمت کم ہو تو مزید نوٹ ملا کر چاندی کی مذکورہ مقدار کو پورا کیا جائے گا جیسے سامان کو مہر(**Dower**) رکھنے کی صورت میں کیا جاتا ہے۔

سوال ٤: اگر کوئی اسے محفوظ مقام سے چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: جب چوری میں ہاتھ کاٹے جانے کی دیگر شرائط پائی جائیں تو نوٹ چرانے پر ہاتھ کاٹنا واجب ہے میرا مطلب ہے کہ جب چور عاقل بالغ ہو گونگا یا اندھا نہ ہو اور نوٹ پوری حفاظت کی جگہ رکھا ہو نیز چوری کے دن اور ہاتھ کاٹنے کے دن نوٹ کی قیمت مہر والے دس کھرے درھموں (**Silver Coins**) کے برابر ہو تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ ہم بیان کرچکے ہیں کہ نوٹ بذات خود ایک قیمت والا(**Valuable**) مال ہے۔ لہٰذا اس میں مال(**Property**) کے تمام احکام نافذ ہونگے۔

سوال ٥: اگر کوئی شخص کسی کا نوٹ ضائع(**Destruct**) کردے تو بدلے میں نوٹ ہی دینا ہوگا یا چاندی کے روپے بھی دیئے جاسکتے ہیں؟

الجواب: اگر کوئی شخص کسی کا نوٹ ضائع کردے تو اسے اس کے بدلے میں نوٹ ہی دینا ہوگا اور ضائع کرنے والے کو چاندی کا روپیہ دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ نوٹ کا لین دین گن کر ہوتا ہے اور ایک ہی کرنسی کے ایسے دو نوٹ جن کی مالیت بھی برابر ہو ان دونوں میں کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا (مثلاً دس روپے کے پانچ نوٹ وہی مالیت رکھتے ہیں جو پانچ روپے کے دس اور ایک روپے کے پچاس نوٹ) ہاں البتہ جب کرنسی مختلف علاقوں کی ہو اگرچہ حکومت ایک ہی ہو تو اکثر اوقات مالیت میں فرق آجاتا ہے کیونکہ الہ آباد اور کلکتہ کا نوٹ ہندوستان کے شمال مشرقی علاقوں میں بمبئی کے نوٹ سے زیادہ چلتا ہے اور اکثر اوقات ایک جگہ کا نوٹ دوسرے علاقے میں کچھ آنوں کی کمی سے لیا جاتا ہے لہٰذا ان دو قسم کے دونوٹوں کو برابر نہیں سمجھا جاتا جب تک دونوں کا چلن برابر نہ ہوجائے۔

سوال ٦: کیا اس نوٹ کو چاندی کے روپوں' سونے کی اشرفیوں اور تانبے کے پیسوں کے بدلے بیچنا جائز ہے؟

الجواب: جی ہاں جائز ہے اور تمام ملکوں میں اس کا رواج بھی ہے اور تم اس کی تحقیق (Research) جان چکے ہو۔

تنبیہ!

پچھلے کلام میں جواب واضح ہوجانے کی بناء پر میں اسی جواب کو کافی سمجھا تھا مگر جب میں یہ رسالہ مکمل کر چکا تو مجھے بعض علماء سلمھم اللہ کی طرف سے یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے یاددہانی کے لئے فرمایا کہ علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے ردالمحتار میں اس اصول "بیع منعقد ہونے کے لئے مبیع کا مال متقوم (قیمت Valuable Property) ہونا شرط ہے" سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ روٹی کے ایک ٹکڑے کی بیع باطل ہے کیونکہ بیع کے جائز ہونے کے لئے مبیع کی کم از کم قیمت ایک پیسہ ہونا ضروری ہے۔ "انتہی"

اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ کاغذ کے اتنے سے ٹکڑے کی قیمت ایک پیسہ بھی نہیں لہٰذا نوٹ کی بیع باطل (Nill) ہونی چاہئے۔ باطل ہونے سے مراد یہ ہے کہ بیع اصلا ہوئی ہی نہیں چہ جائیکہ ہم اسے حرام یا مکروہ قرار دیں۔

خرید و فروخت کے صحیح ہونے کیلئے مبیع کی قیمت کم از کم ایک پیسہ ہونا ضروری نہیں

تو میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہ جواب دیتا ہوں کہ ان عالم صاحب نے یہ بات میرے رسالے کا مطالعہ کرنے سے پہلے کہی تھی کاش! وہ میرے رسالے کا مطالعہ کرلیتے اور اس کے مضامین پر مطلع ہوجاتے تو ان پر آشکار ہوجاتا کہ ان کے اعتراض (Objection) کا جواب تو خود ان کے اس قول کہ "یہ کاغذ کا ٹکڑا ایک پیسے کا نہیں" سے ہی ظاہر ہے کیونکہ ان دونوں مسئلوں میں بہت فرق ہے ایک یہ کہ کاغذ کا ٹکڑا (مہر وغیرہ لگنے سے پہلے) ایک پیسے کا نہیں دوسری یہ کہ ایک پیسے کا نہ تھا اس لئے کہ یہ کاغذ کا ٹکڑا علوم لکھے جانے کے بعد یا مہر لگ جانے کے بعد اب سو روپے اور ہزار روپے کی قیمت کا ہے اور اصول (Rule) یہ ہے کہ شئے کی موجودہ حالت کا اعتبار کیا جاتا ہے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اصل میں کیا تھی (۱) مثلاً آپ کو معلوم ہے کہ کچی پکی مٹی کے چھوٹے بڑے برتنوں کی خرید و فروخت کا رواج مسلمانوں میں عام ہے اور کوئی اس کا انکار نہیں کرتا حالانکہ ان برتنوں کی اصل (nature) مٹی ہے اور مٹی مال نہیں بلکہ (۲) اگر اصل کا اعتبار کیا جائے تو خود پیسہ پر بھی اعتراض وارد ہوگا کیونکہ آپ جان چکے ہیں کہ پیسہ تانبے کی جس پتری سے بنایا جاتا ہے اس پتری کی قیمت ہرگز ایک پیسہ کے برابر نہیں ہوتی بلکہ ایک دھیلے (نصف پیسہ) کے برابر بھی نہیں ہوتی اسی لئے کچھ بے باک (فراڈ) قسم کے لوگوں کو جعلی پیسہ بنانے کی عادت ہوتی ہے اور وہ ٹکسال کی طرح کا سانچہ بنا کر تانبے کو پگھلاتے ہیں اور پھر اس پگھلے ہوئے تانبے کو سانچے میں ڈال کر پیسہ بنا لیتے ہیں اس کام میں ان کی جتنی رقم خرچ ہوتی ہے اس سے دگنا نفع انہیں حاصل ہوجاتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کام روپے بنانے سے زیادہ نفع بخش ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ اصل (Reality) پر نظر کرنے سے خود پیسہ بھی ایک پیسہ کا نہیں لہٰذا پیسہ مال متقوم (Valuable Property) نہ ہوا تو پھر یہ قیمت (Cost) اور ثمن (Currecny) کیسے ہوسکتا ہے؟ (۳) گذشتہ کلام میں ہم نے ایک عجیب و غریب نایاب علم (Rare Knowledge) سے منقش کاغذ کی مثال پیش کی تھی اس پر غور کرنے سے بھی یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اشیاء کی موجودہ حالت دیکھی جاتی ہے اور ان کی سابقہ حالت کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ (۴) کیا آپ نہیں جانتے کہ علماء کرام کی تعظیم شرعاً' عقلاً اور عرفاً لازمی ہے حالانکہ اصل کے لحاظ سے علماء بھی انہی لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا۔

والله الذی اخرجكم من بطون امهتكم لاتعلمون شيئاً

"اللہ وہ ہے جس نے تمہاری ماؤں کے پیٹ سے تمہیں اس حال پر پیدا فرمایا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے"

لہٰذا علماء کی تعظیم ان میں پیدا ہونے والے اس علم کے وصف (Description) کی وجہ سے کی جاتی ہے جس کی وجہ سے انہیں خالق عزوجل اور مخلوق دونوں کے نزدیک وہ عزت حاصل ہوگئی جو پہلے حاصل نہ تھی جب وہ کچھ نہ جانتے تھے تو جس طرح اس علم سے منقوش کاغذ کی قیمت اس میں لکھے گئے علم کی وجہ سے اتنی زیادہ ہوگئی بالکل اسی طرح نوٹ میں لکھائی اور اسٹامپ کی وجہ سے ایسی بات پیدا ہوگئی کہ لوگ نفع کی غرض سے اس کی طرف مائل ہوگئے اور اس کا لین دین کرنے لگے۔

مالیت کیلئے ضروری نہیں کہ وہ چیز ہر جگہ مال سمجھی جائے:

نیز اس اعتراض(Objection) کی کچھ حیثیت نہیں کہ (۱) نوٹ تمام شہروں میں نہیں چلتا کیونکہ نوٹ کے قیمت والا(Valuable) مال ہونے کے لئے اس کا تمام شہروں میں چلنا کسی کے نزدیک بھی ضروری نہیں بلکہ (۲) مہر والی اکثر چیزوں(Currecny) کا یہی حال ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ یہاں عرب شریف میں چلنے والے سکے خمسے' عشرے اور ہللے ہندوستان میں بالکل نہیں چلتے اسی طرح ہندوستان میں چلنے والے پیسے یہاں عرب شریف میں نہیں چلتے بخلاف نوٹ کے کیونکہ ہندوستان کا نوٹ عرب میں بھی چلتا ہے ہندوستانی نوٹ کا عرب کی کرنسی کے مقابلے میں کم قیمت میں بکنا چلنے کی نفی نہیں کرتا اور دوسرے شہروں میں نوٹ کا نہ چلنا ان شہروں میں نوٹ کے چلن(Use) پر اثر انداز نہیں ہوتا جہاں نوٹ چلتا ہے۔ بلکہ اسی ذوالحجہ ۱۳۲۳ھ میں اس امان والے شہر مکہ مکرمہ میں پانچ سو کے ایک انگریزی نوٹ کو میں نے خود ۱۳۳ اشرفیوں اور پانچ روپے میں چینج کروایا اور یہ رقم پانچ سو کے نوٹ کی پوری قیمت ہے کیونکہ ۱۳۳ اشرفیوں کی قیمت چار سو پچانوے روپے بنتی تھی اور یہ چار سو پچانوے روپے ان پانچ روپوں سے ملکر پورے پانچ سو روپے ہو گئے۔

(۳) نیز فقہ کی مشہور کتاب کفایہ کے باب بیع الفاسد میں یہ مضمون موجود ہے کہ کوئی چیز مال اس وقت ہوتی ہے جب ''تمام'' یا ''بعض'' لوگ اسے مال قرار دیں ''انتہی'' اسی طرح (فقہ کی دیگر مستند کتابوں) فتح القدیر اور ردالمحتار میں بحرالرائق اور کشف کبیر میں ہے کہ مال وہ ہوتا ہے جس کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہو اور اسے وقت ضرورت کے لئے جمع کر کے رکھنا ممکن ہو اور مالیت کے ثبوت کے لئے تمام یا بعض لوگوں کا اسے مال قرار دینا ضروری ہے۔ ''انتہی''

لہٰذا واضح ہو گیا کہ ایک پیسے سے کم مالیت کے مال کی بیع والا مسئلہ جو ان عالم صاحب نے بطور دلیل پیش کیا ہے وہ ہمارے نوٹ والے مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں رکھتا مگر یہ کمزور بندہ (امام اہلسنت علیہ الرحمۃ) پسند کرتا ہے کہ اس مسئلہ کو کھول بیان کر دے تا کہ کوئی دوسرا شخص اس مسئلہ سے کسی اور جگہ دھوکہ نہ کھا جائے کیونکہ اس میں ایسی تنگی ہے جس نے شریعت کی وسیع کی ہوئی چیزوں کو بھی تنگ کر دیا ہے۔

لہٰذا میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں اس مسئلہ کا ماخذ (فقہ کی ایک کتاب) قنیہ ہے ردالمحتار نے اسے ''بحر'' اور ''بحر'' نے اسے ''قنیہ'' کے حوالے سے نقل کیا ہے اور ان کے شاگرد علامہ غزی نے انکی پیروی کی اور یہاں تک مبالغہ کیا کہ اس مسئلہ کو اپنے متن تنویر الابصار کی فصل متفرقات البیوع میں کتاب الصرف سے کچھ پہلے داخل فرمایا حالانکہ تنویر الابصار کے ماخذ درر و غرر میں اس کا ذکر نہیں ہے اور اس کے شارح علامہ علائی نے اسے قنیہ ہی کی طرف منسوب کیا ہے بلکہ خود مصنف نے اس کی شرح منح الغفار میں اس بات کا اعتراف کیا ہے اور متن کی اس عبارت کے بعد فرمایا کہ یہ بھی قنیہ میں منقول ہے۔ ''انتہی''

یعنی جیسا کہ اس سے پہلے بھی قنیہ میں ایک مسئلہ مذکور ہے کہ کبوتر کی بیٹ اگر کثیر ہو تو اسے بیچنا(Sale) اور ہبہ(Donate) کرنا جائز ہے۔

آداب مفتی سے متعلق چند آداب:

یاد رہے کہ قنیہ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ اس کی روایات ضعیف ہوتی ہیں اور علماء نے وضاحت فرمائی ہے کہ ''قنیہ'' جب مشہور کتابوں کی مخالفت کرے تو اس کا قول قابل قبول نہ ہوگا بلکہ یہاں تک کہا کہ قنیہ اگر قواعد(Rules) کے خلاف مسئلہ بیان کرے تو قابل قبول نہیں جب تک اس کی تائید میں کوئی قابل اعتماد نقل(Reference) نہ پائی جائے اور نقل میں ناقل کا نہیں بلکہ جس کے حوالے سے نقل کیا جائے اس کا اعتبار ہوتا ہے اور ایک مسئلہ اگر متعدد علماء کسی ایک ہی حوالے سے لکھیں تو اس سے مسئلہ کا غریب ہونا ختم نہیں ہوتا۔ جیسا کہ یہ تمام باتیں میں نے آداب مفتی کے موضوع پر لکھی جانے والی اپنی کتاب فصل القضاء فی رسم الافتاء (Rules Ofr Muslim Juris) میں ذکر کر دی ہیں۔

اسی طرح سے فتاویٰ ظہیریہ میں ایک مسئلہ لکھا ہے کہ سجدہ تلاوت کے بعد قیام کرنا بھی اسی طرح مستحب ہے جیسے سجدہ سے پہلے مستحب ہے اس مسئلہ کو ظہیریہ کے حوالے سے تاتارخانیہ' قنیہ اور مضمرات نے بھی نقل کیا ہے اور ان کتب کے حوالے سے یہ مسئلہ ''بحر'' اور دُرر میں بھی مذکور ہے نیز بحر میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ یہ مسئلہ غریب ہے علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کے غریب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صرف ظہیریہ ہی نے اس مسئلہ کو ذکر کیا ہے اسی لئے علماء متاخرین نے اس مسئلہ کو ظہیریہ ہی کی طرف منسوب کیا ہے۔ ''انتہی''

قنیہ کے مسئلہ کا دلیل نقلی سے جواب:

اور آپ جانتے ہیں کہ قنیہ کے پیسے والے مسئلہ کو اتنے علماء نے بھی نقل نہیں کیا جتنے علماء نے ظہیریہ کے مسئلہ کو نقل کیا ہے اور قنیہ' فتاویٰ ظہیریہ کے مقابلے کی کتاب بھی تو نہیں ہے پھر اس سے غرابت کیسے دور ہو سکتی ہے۔ کاش یہ مسئلہ صرف غریب ہی ہوتا تو حدیث شاذ (Irregular Tradition) کی طرح ہوتا مگر یہ تو قواعد شرع اور کتب مشہورہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے حدیث منکر(Denied Hadith) کی

طرح ہے پہلی یعنی کتب مشہورہ کی مخالفت کے لئے تو اتنا ہی کافی ہے کہ فتح القدیر' شرنبلالی' طحطاوی اور ردالمحتار وغیرہ قابل اعتماد کتابوں میں ہے کہ اگر کوئی شخص کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار روپے میں بیچے تو جائز ہے (جبکہ قنیہ میں خواہ مخواہ یہ شرط لگادی ہے کہ وہ مال کم از کم ایک پیسے کا ہو) اور اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے کہ مزید یہ کیا کہ کاغذ پر آخر میں تائے وحدت کا اضافہ فرمادیا (یعنی کاغذۃ فرمایا) جس سے مراد ایک ہی کاغذ ہوتا ہے نیز یہاں ایک عظیم اور ناقابل تردید بات بھی بیان کرتا چلوں کہ ہمارے جمہور ائمہ' متون' شروح اور ہمارے مذہب کے فتاویٰ کا اس بات پر اجماع واتفاق **(Consensus)** ہے کہ ایک چھوہارے کو دو چھوہاروں کے عوض اور ایک اخروٹ کو دو اخروٹ کے عوض بیچنا جائز ہے نیز فتح القدیر اور ردالمحتار میں یہ اضافہ **(Addition)** بھی ہے کہ دو سوئیوں کے بدلے ایک سوئی بیچنا جائز ہے حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی ایک پیسہ کی نہیں ہوتی۔

ہمارے ہندوستان میں ایک پیسے میں بہت سے چھوہارے مل جاتے ہیں جبکہ یہاں عرب شریف میں تو چھوہارے مزید سستے اسی طرح سے اخروٹ بھی اور وہ ہمارے ہندوستان میں عرب سے زیادہ سستے ہیں۔ نیز ہندوستان میں ایک پیسے کی ۸ سے ۲۵ سوئیاں مل جاتی ہیں۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ قنیہ کا یہ مسئلہ جس میں مبیع **(Sold Thing)** کی کم از کم قیمت ایک پیسہ ہونا شرط ٹھہرایا گیا ہے تمام کتب مشہورہ اور ائمہ مذہب کی رائے کے خلاف ہے۔

امام محقق صاحب فتح القدیر نے اگرچہ امام محمد سے مروی امام معلی کی اس روایت کو راجح قرار دیا ہے جس میں دو چھوہاروں کے عوض ایک چھوہارا بیچنے کو مکروہ کہا گیا ہے مگر یہ کراہت اس وجہ سے نہیں کہ چھوہارے کی قیمت ایک پیسے سے کم ہے بلکہ ایک طرف سے زیادتی کی بناء پر ہے لہٰذا اگر برنی کھجور کا ایک چھوہارا جنیب کے چھوہارے کے عوض بیچا جائے تو اس کا تعلق امام معلی کی روایت اور امام محقق کی ترجیح سے ہرگز نہ ہوگا کیونکہ کسی جانب بھی زیادتی نہیں بلکہ دونوں جانب چھوہارے برابر ہیں اور ویسے بھی امام معلی کی روایت میں تو اس بیع کو مکروہ (ناپسندیدہ) فرمایا گیا ہے جبکہ تمہارا دعویٰ تو یہ ہے کہ بیع باطل **(Null)** ہوئی یعنی بالکل ہی منعقد نہ ہوئی تو اب تمہارا دعویٰ کہاں گیا۔

قنیہ کے مسئلہ کا دلیل عقلی سے جواب:

جہاں تک دوسری یعنی قواعد شرع سے مخالفت کا تعلق ہے تو میں یہ کہوں گا کہ ہندوستان جو کہ اتنا وسیع ہے کہ اس کا عرض خط استواء سے شمال کی جانب ۸ درجے سے ۳۵ درجے تک ہے اور طول گرین وچ لندن سے مشرق کی جانب ۶۶ درجے سے ۹۲ درجے تک ہے اس میں اکثر فقراء کی معیشت پیسہ کے حصوں دھیلہ (نصف پیسہ) چھدام (چوتھائی پیسہ) دمڑی (نصف چھدام) وغیرہ سے خرید وفروخت کرنے پر قائم ہے بہت سے لوگ سالن پکانے کے لئے دھیلے (نصف پیسے) کی سبزی خریدتے ہیں اس میں نصف پیسے کا تلوں کا تیل ڈال لیتے ہیں چھدام (چوتھائی پیسے) کے تینوں مصالحے اور چھدام ہی سے لہسن اور پیاز نیز چھدام کا نمک لے کر سالن تیار کرتے ہیں اس طرح سے پونے دو پیسے میں انکا سالن تیار ہوجاتا ہے اور اسی سالن سے دو وقت کا گذارا کرتے ہیں۔

اسی طرح چراغ میں ایک دھیلہ (نصف پیسہ) کا تیل شام سے آدھی رات تک کے لئے کافی ہوتا ہے اسی طرح سے میٹھے پانی کا بڑا مشکیزہ ایک دھیلے (نصف پیسہ) میں مل جاتا ہے جبکہ کچھ ہی عرصہ پہلے ایک دھیلے میں تین مشکیزے ملا کرتے تھے ماچس کی ڈبیا بھی نصف پیسے میں مل جاتی ہے نیز ہندوستان کا سب سے لذیذ پھل جسے عربی میں عَنبَ' عین کے فتح اور نون ساکن فارسی میں انبہ اور اردو میں آم کہتے ہیں نصف پیسہ میں بہت سے مل جاتے ہیں۔

اسی طرح سے جامن اور املیاں ایک چھدام (چوتھائی پیسہ) میں بہت سی مل جاتی ہیں اور تمباکو والے پان کے عادی **(Habitua)** کے لئے ایک دھیلہ کے پان ایک چھدام کا کتھا' چھدام کا تمباکو اور ایک چھدام کی چھالیہ ایک دن اور رات کے لئے کافی ہوتا ہے۔

اس طرح سے فقط سوا پیسے میں پان کے عادی **(Atticted)** کی حاجت پوری ہوجائے گی۔ اور حقے کے عادی **(Atticted)** کے لئے ایک دھیلہ کا تمباکو کافی ہے اور بہت سی چیزیں بھی پیسوں کے حصوں ہی سے ملتی ہیں حتیٰ کہ بعض چیزیں دمڑی (پیسہ کا آٹھواں حصہ) اور نصف دمڑی (پیسے کے سولہویں حصے) میں بھی بکتی ہیں۔

لہٰذا اگر یہ خرید وفروخت جائز نہ ہو تو معاملہ نہایت پیچیدہ ہوجائے اور غریب لوگوں کو ناقابل برداشت مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا اور یہ خرید وفروخت جو کہ ہزار ہا مسلمانوں میں جاری ہے اگر ہم اسے باطل **(Null)** قرار دے دیں اور ان پر یہ بات لازم کردیں کہ کوئی چیز بھی ایک پیسہ سے کم قیمت میں ہرگز نہ خریدیں جبکہ ان کی ضرورت چھدام اور دمڑی وغیرہ سے پوری ہوجاتی ہے تو یہ گویا ان لوگوں پر بھاری بوجھ ڈالنے کے مترادف ہوگا حالانکہ شریعت مطہرہ بوجھ ڈالنے کے لئے نہیں بلکہ اٹھانے کے لئے آئی ہے بلکہ اکثر اوقات ان لوگوں کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں ہوسکیں گے کیونکہ جو سالن پہلے پونے دو پیسوں میں تیار ہوجاتا تھا اب دو آنوں سے کم میں نہ ہوگا۔ اور وہ پان جو پہلے سوا پیسے میں دن بھر کے لئے کافی تھے اب ایک آنہ میں ملیں

گے مزید اسی پر قیاس کرتے جائیں۔

آپ خود سوچیں اگر کسی کے پاس دو پیسوں سے زائد رقم نہ ہو اور آپ سالن پکانے کے لئے اس پر دو آنے خرچ کرنا لازم کر دیں تو وہ کیا کرے گا روکھا آٹا پھانکے گا یا جو کی خشک روٹی چبائے گا اور ایسا سالن نہ کھا سکے گا جو اس روٹی کو نگلنے کے قابل بنا کر اسے ہضم کرنے میں مدد دے اور سالن کے عادی (Habitual) لوگ اگر سالن کھانا چھوڑ دیں تو سوکھی روٹی انہیں ہرگز راس نہ آئیگی اور وہ لوگ طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو جائیں گے کیونکہ عادت کا چھوڑنا گویا اپنے آپ سے دشمنی مول لینا ہے۔

یا آپ یہ کہیں گے کہ وہ بھیک مانگے حالانکہ بھیک مانگنا ذلت کا کام اور شریعت میں حرام ہے یا ڈاکہ مارے مگر اس پر بھی شریعت میں سخت سزا ہے یا سبزی فروش تاجروں اور پانی بیچنے والے بہشتیوں کو حکم دیں گے کہ ان فقراء کی تمام ضروریات کی اشیا انہیں مفت دے دیا کریں کیونکہ ان اشیاء کی قیمت ایک پیسہ سے کم ہے اور جس چیز کی قیمت ایک پیسہ سے کم ہو وہ مال نہیں ہوتا اور اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی ہے لہٰذا انہیں مفت دے دیا کریں اس بات پر تو تاجر بالکل راضی نہ ہونگے اور اگر راضی ہو بھی جائیں تو ایک فقیر کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہیں۔

لہٰذا اگر تاجر ہر فقیر کو اسکی ضرورت کی چیزیں مفت دے دیا کریں تو ان کی تجارت تو بے فائدہ ہو جائے گی لہٰذا ثابت ہوا کہ ہمارے پاس اس بیع (ایک پیسہ سے کم کی خرید وفروخت) کو جائز قرار دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں اور بے شک قرآن پاک نے اسے جائز قرار دیتے ہوئے مطلق ارشاد فرمایا کہ "احل اللہ البیع" اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کو حلال کیا اور دوسری جگہ فرمایا کہ "الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم" مگر یہ کہ سودا تمہاری آپس کی رضامندی سے ہو اور بیع کو جائز قرار دینے سے ان برائیوں کا خاتمہ ہی تو مقصود تھا لہٰذا اس حکم کو مقید (Limited) کرنے سے وہی سابقہ برائیاں لوٹ آئیں گی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مطلق (Un Limited) فرمایا ہے محقق علی الاطلاق (رحمۃ اللہ علیہ) نے فتح القدیر میں فرمایا اگر بیع کو مبیع (Mar Chandise) اور ثمن (Estimated Cost) دونوں کی تملیک (Ownership) کا سبب بنا کر جائز قرار نہ دیا جاتا تو انسان اس بات کا محتاج ہو جاتا کہ یا تو اپنی ضرورت کی چیزیں چھین لیتا یا بھیک مانگتا ورنہ صبر کرتا یہاں تک کہ مرجاتا مگر چونکہ ان سب باتوں میں کھلا فساد (Incorrectness) ہے اور بھیک مانگنے میں جو رسوائی وخواری ہے وہ ہر آدمی برداشت نہیں کر سکتا کیونکہ یہ عمل بندے کو رسوا کر دیتا ہے لہٰذا اس بیع کو جائز قرار دینے میں غریب مسلمانوں کی بقا اور احسن طریقے سے ان کی حاجات کی تکمیل ہے۔ انتہی

یہ تو معلوم ہی ہے کہ شرع مطہر نے بیع کے سلسلے میں کوئی حد مقرر نہیں فرمائی بلکہ مطلق خرید وفروخت کو حلال فرمایا ہے اور بیع کا مطلب ایک مال کو دوسرے مال سے بدلنا (Exchang) ہے اور مال کی تعریف تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ مال وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعت مائل ہو اور وقت ضرورت کے لئے اسے جمع کرنا ممکن ہو اور یہ تعریف یقیناً ان چیزوں پر پوری اترتی ہے جو ہم نے تمہیں بتائیں یعنی جن کی خرید وفروخت دھیلے اور چھدام وغیرہ کے بدلے میں ہوتی ہے۔

لہٰذا اگر ایک پیسہ سے کم میں خرید وفروخت نہ کرنے کو واجب کر دیا جائے تو یہ شریعت پر زیادتی ہوگی جو قابل قبول کیسے ہو سکتی ہے؟ پھر شاید کوئی یہ کہے کہ شریعت نے پیسے کی مالیت کی مقدار (Quantity) مقرر نہیں فرمائی اور پیسہ وقت وجگہ کے بدلنے سے بدل جاتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ہر جگہ اسی علاقے کا پیسہ معتبر ہو جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ بعض لوگوں کے کسی شے کو مال بنانے سے بھی مالیت ثابت ہو جاتی ہے لہٰذا دنیا کے سب سے چھوٹے پیسے کو تلاش کرنا واجب ہوا حالانکہ اس میں حرج عظیم ہے اور شریعت حرج کو دور فرما دیتی ہے اور یہی بات غور طلب ہے۔

بے شک کفایہ کے باب البیع الفاسد کی ابتداء میں لکھا ہے کہ بعض اوقات کسی شے کا قیمت والا (Valuable) ہونا بغیر مالیت کے بھی ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ گیہوں کا ایک دانہ (Grain) مال (Property) نہیں ہے لہٰذا اس کی بیع صحیح نہیں اگرچہ اس سے نفع حاصل کرنا شرعاً جائز ہے کیونکہ لوگ اسے مال نہیں سمجھتے۔ "انتہی"

اسی طرح کشف کبیر و بحر الرائق و رد المحتار میں ہے اور فتح القدیر میں ایک دانے کی جگہ چند دانے فرمایا اور ہم نے قابل اعتماد علماء سے کسی کے بارے میں نہیں سنا کہ وہ فرماتے ہوں کہ ایک پیسہ سے کم کی چیز مال نہیں ہے۔

مسئلہ قنیہ کی ایک نفیس توجیہ:

شاید "قنیہ" نے یہ مسئلہ اس بنا پر بیان کیا ہو کہ ان کے زمانے میں پیسے سے کم قیمت کوئی ثمن (Currency) نہ تھی یا صاحب قنیہ نے شرع مطہر کے مقرر کردہ اندازے میں سے پیسہ سے کم کسی اور کرنسی کو نہ پایا تو یہ حکم لگا دیا کہ جو چیز پیسے سے کم کی ہے وہ کچھ نہیں جیسے فتح القدیر میں اسرار کے حوالے سے منقول ہے کہ جو سونا اور چاندی رتی بھر سے کم ہو اس کی کوئی قیمت نہیں کیوں کہ ان علماء نے چاندی اور سونا کے لئے رتی سے کم کسی پیمانے کو نہیں دیکھا تھا جبکہ ہمارے علاقے میں اس کا پیمانہ (Measure) رتی کے آٹھویں حصے (ایک چاول) تک معروف ہے اور ہمارے علاقے میں آجکل چاول کے برابر سونے کی قیمت دو پیسے (عرب میں رائج سکہ ہللہ کے برابر) ہے اور بلاشبہ یہ سونا جو چاول کے برابر ہے؟ قیمت والا مال

(Valuable Propert) ہے چہ جائیکہ اس سے زیادہ جو چوتھائی رتی یا نصف رتی اور اس سے زائد سونا ہو۔

نیز بہت سے علماء کرام فرماتے ہیں کہ جو چیز نصف صاع سے کم ہو وہ انداز (Measurement) سے باہر ہے لہٰذا اس صورت میں ایک چیز اپنی ہی جنس (Species) کے عوض کمی بیشی سے بیچنا جائز ہے اور وہ مسئلہ کہ ایک مٹھی (Hand Ful) گیہوں دو مٹھی گیہوں کے بدلے بیچنا جائز ہے اسی اصول کے تحت نکالا گیا ہے جبکہ محقق نے فتح القدیر میں اس مسئلہ کا رد کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس پر دل مطمئن نہیں ہوتا۔

بلکہ جب سود کی حرمت لوگوں کے مال کی حفاظت کے لئے ہے تو واجب ہے کہ دو سیب کے بدلے ایک سیب اور دو مٹھی (Hand Ful) کے بدلے ایک مٹھی (Hand Ful) گیہوں بیچنا حرام ہو اور اگر کسی علاقے میں نصف صاع سے چھوٹے پیمانے پائے جاتے ہوں جیسا کہ ہمارے ہندوستان میں صاع کا چوتھائی اور آٹھواں حصہ بھی مقرر ہے پھر تو اس زیادتی کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں اور یہ کہنا کہ شریعت مطہرہ نے مالی واجبات مثلاً کفارہ اور صدقہ فطر میں جو پیمانے مقرر فرمائے ہیں ان میں نصف صاع سے کم کوئی پیمانہ (Measure) مقرر نہیں کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک مٹھی (Hand Ful) کے بدلے دو مٹھی (Hand Ful) بیچنے میں جو واضح فرق ہے اسے یکسر بے اثر کر دیا جائے۔ "انتہی"

محقق صاحب کے اس کلام کو بحر الرائق، نہر الفائق، شرنبلالیہ، در مختار اور حواشی وغیرہ میں اسی طرح مقرر رکھا گیا اور یہ بہت اچھا کلام ہے۔

اسی طرح ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جن چیزوں پر بھی مال کی تعریف صادق آتی ہے اگر چہ ان کی قیمت ایک پیسہ سے کم ہو وہ سب قیمت والے مال (Valuable Propert) ہوں گے لہٰذا ان کے ذریعے خرید و فروخت کے جواز میں کوئی شک نہیں جیسا کہ گزشتہ کلام میں چند چیزوں کا ذکر ہوا لہٰذا اگر کسی علاقے میں پیسہ سے چھوٹی کرنسی رائج ہو جیسا کہ ہمارے ہندوستان میں چھدام (چوتھائی پیسہ) اور دمڑی (پیسہ کا آٹھواں حصہ) رائج ہیں نیز شرع مطہر میں پیسے سے کم قیمت کرنسی کا ذکر نہ ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ جو مالیت یقیناً ظاہر و بین (Certain) ہے اسے باطل (Null) کر دیا جائے یہ میرے نزدیک تحقیق ہے اور حقیقت کا علم میرے رب سبحانہ وتعالیٰ کے پاس اور وہی سب سے زیادہ علم والا ہے۔

سوال ۷: اگر نوٹ کے بدلے کپڑے خریدے جائیں تو یہ بیع مطلق (Absolute Sale) ہوگی یا مقایضہ (Barter Sale)؟

الجواب: ہم بیان کر چکے ہیں کہ نوٹ ایک ثمن اصطلاحی (Currecny) ہے لہٰذا اسے کپڑوں کے عوض بیچنا بیع مقایضہ (Barter sale) (ایسی خرید و فروخت جس میں متاع (Chatte) کے بدلے متاع (Chatte) بیچا جائے) نہیں بلکہ بیع مطلق ہوگی اور اس صورت میں کوئی معین نوٹ (Fixed Note) دینا ضروری نہیں بلکہ معینہ مالیت کا کوئی بھی نوٹ دیا جا سکتا ہے جیسا کہ پیسوں کے لین دین میں ہوتا ہے۔

سوال ۸: کیا اس نوٹ کو بطور قرض دینا جائز ہے اگر جائز ہے تو قرض واپس کرتے وقت یہی نوٹ واپس کیئے جائیں گے یا چاندی کے روپے بھی دیئے جا سکتے ہیں؟

الجواب: جی ہاں نوٹ کو بطور قرض دینا جائز ہے کیونکہ یہ مثلی (Similar) چیز ہے اور قرض واپس کرتے وقت مثلی (Similar) چیز ہی دی جاتی ہے بلکہ ہر قسم کے دین میں مثلی (Similar) چیز ہی دی جاتی ہے مگر جب لین دین کرنے والے کسی دوسری چیز کے لینے دینے پر راضی ہو جائے (کسی دوسری چیز کے لینے دینے پر راضی ہونے سے مراد یہ ہے کہ قرض دیتے وقت اس کی شرط نہ لگائی گئی ہو۔ اگر نوٹ قرض دیتے وقت یہ شرط لگائی ہو کہ ادائیگی کسی اور جنس میں کی جائیگی تو نا جائز ہے۔ مثلاً سو کا نوٹ قرض دیا اور شرط لگائی کہ واپسی میں اتنی چاندی یا کپڑا دے دینا جتنا سو روپے میں ملتا ہے تو ایسی شرط نا جائز ہے جیسا کہ اس کی تصریح امام اہلسنت نے فتاویٰ رضویہ جلد ۸ صفحہ ۹۳ میں فرمائی ہے بلکہ اس عبارت سے یہ مراد ہے کہ ادائیگی کے وقت قرض ادا کرنے والے نے کہا کہ میں سو کا نوٹ نہیں دے سکتا بلکہ اس قیمت کی چاندی یا ڈالرز یا پونڈز دینا چاہتا ہوں پس اگر قرض وصول کرنے والا راضی ہو جائے تو جائز ہے۔ عطاری) تو دوسری چیز بھی دی جا سکتی ہے۔

سوال ۹: کیا کرنسی نوٹ کو چاندی کے روپوں کے بدلے میں ایک معین مدت (Term) تک کے لئے بطور قرض بیچنا جائز ہے؟

الجواب: ہاں جائز ہے بشرطیکہ نوٹ پر اسی مجلس میں قبضہ کر لیا جائے تاکہ دونوں اس حالت میں جدا نہ ہوں کہ دونوں پر ایک دوسرے کا دین ہو اور اس مسئلہ میں تحقیق (Research) یہ ہے کہ اگر نوٹ کو روپوں کے بدلے بیچا جائے تو یہ خرید و فروخت پیسوں کو روپوں کے بدلے بیچنے کی طرح ہے بیع صرف (Money Exchang) نہیں کہ اس میں دونوں طرف سے قبضہ کرنا شرط ہو کیونکہ بیع صرف ایسی بیع کو کہتے ہیں جس میں ثمن خلقی (یعنی سونا اور چاندی، خیال رہے کہ سونا اور چاندی کسی بھی شکل میں ہوں ثمن خلقی ہیں اور نوٹ اور مروجہ سکے ثمن اصطلاحی ہیں۔ عطاری)

(Real Money) کو ثمن خلقی کے بدلے میں بیچا جائے بیع صرف (Money Exchang) کی یہ تعریف بحرالرائق ودرمختار وغیرہما میں مذکور ہے اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ نوٹ اور پیسے کو ثمنیت کے لئے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ ان کا ثمن (Currency) ہونا تو اس بنا پر ہے کہ لوگوں نے انہیں اپنے لئے اصطلاحی ثمن (Currency) بنا لیا لہٰذا یہ جب تک چلتے رہیں گے ثمن (Currency) ہیں اور جب ان کا چلن ختم ہو جائے گا تو یہ متاع (Chattels) کی طرح کا مال ہو جائیں گے ردالمحتار باب ربا میں بحر سے، بحر میں ذخیرہ اور ذخیرہ میں مشائخ سے اس کے بیع صرف (Money Exchang) نہ ہونے کی تصریح منقول ہے البتہ نوٹ کے ثمن اصطلاحی (Currency) ہونے کی بنا پر دونوں جانب میں سے ایک کا قبضہ ضروری ہے ورنہ یہ بیع حرام ہو جائے گی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دین کو دین سے بیچنا ممنوع قرار دیا ہے امام محمد نے مبسوط میں اس بات کی تصریح فرمائی ہے اور محیط امام سرخسی، حاوی، بزازیہ، بحر، نہر، فتاویٰ حانوتی، تنویر، درمختار اور ہندیہ وغیرہا میں اسی پر اعتماد کیا گیا ہے اور امام اسبیجابی کے کلام کا بھی یہی مفاد ہے جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان سے بحوالہ بحر نقل فرمایا، ہندیہ میں مبسوط سے منقول ہے کہ کسی نے چاندی کے روپوں کے بدلے ریزگاری خریدی خریدار نے روپے ادا کر دیئے مگر بائع نے پیسے ادا نہ کیئے تو یہ بیع جائز ہے۔ ''انتہی''

اسی عالمگیری میں حاوی وغیرہ سے منقول ہے کہ اگر کسی نے ایک روپیہ سو پیسے میں خریدا اور روپے پر بائع نے قبضہ کر لیا لیکن خریدار کا پیسوں پر قبضہ نہ ہوا یہاں تک کہ پیسوں کا چلن جاتا رہا تو قیاس (Analogy) یہ ہے کہ بیع باطل نہ ہوئی اور اگر پچاس پیسوں پر قبضہ کر چکا تھا اس کے بعد ان پیسوں کا چلن جاتا رہا تو نصف (٥٠ پیسوں میں) بیع باطل (Null) ہو جائے گی اور اگر پیسوں کا چلن باقی رہے تو بیع فاسد نہ ہوگی اور خریدار باقی پیسے لینے کا حقدار بھی رہے گا۔ ''انتہی''

نیز اسی عالمگیری میں محیط سرخسی سے بھی اسی طرح منقول ہے اور یہ کہ ذخیرہ میں ہے اگر روپے کے بدلے میں پیسے یا کھانا خریدا تا کہ وہ عقد صرف (Money Exchang Contrac) نہ ہو اور بائع ومشتری میں سے ایک نے حقیقۃً قبضہ کر لیا پھر دونوں جدا ہو گئے تو یہ صورت جائز ہے اور اگر کسی جانب سے بھی حقیقۃً قبضہ نہ ہوا بلکہ صرف حکماً قبضہ ہوا تو یہ ناجائز ہے چاہئے وہ عقد صرف (Money Exchang Contract) ہو یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا عقد ہو۔ اس کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ زید ایک شخص ہے اس کا دوسرے شخص بکر پر کچھ پیسہ یا غلہ قرض تھا بکر نے انہی پیسوں یا غلے کو روپوں کے بدلے خرید لیا اور روپے دینے سے پہلے دونوں جدا ہو گئے تو یہ بیع باطل (Null) ہو گئی یہ مسئلہ یاد رکھنا نہایت ضروری ہے اکثر لوگ اس مسئلہ سے غافل ہیں۔ ''انتہی''

اسی عالمگیری میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے کسی کو روپیہ دیتے ہوئے کہا کہ نصف روپے کے اتنے پیسے دے دو بقیہ نصف روپے کی اٹھنی دے دو تو یہ جائز ہے پھر اگر پیسوں اور اٹھنی پر قبضہ کیئے بغیر دونوں جدا ہو گئے تو پیسوں میں بیع برقرار ہے اٹھنی کے حصے میں باطل (Nill) ہو گئی اور اگر روپیہ بھی نہیں دیا تھا ویسے ہی دونوں جدا ہو گئے تو اٹھنی اور پیسوں دونوں میں بیع باطل (Nill) ہو جائے گی۔ ''انتہی''

نیز عالمگیری میں ذخیرہ کے حوالے سے یہ بھی منقول ہے کہ پیسوں کے بدلے کوئی چیز خریدی اور پیسے دینے کے بعد دونوں جدا ہو گئے پھر بائع نے ان پیسوں میں ایک پیسہ کھوٹا پایا اسے واپس کر دیا اور دوسرا پیسہ لے لیا تو اس صورت میں یہ پیسے اگر کسی متاع (Chattels) کی طے شدہ قیمت (Estimated Cos) تھے تو عقد (Contract) باطل (Nill) نہ ہوا خواہ اس نے تھوڑے پیسے واپس کیئے ہوں یا زیادہ اور ان کھوٹے پیسوں کے بدلے میں دوسرے پیسے لے لیئے ہوں یا نہ لیئے ہوں اور اگر وہ پیسے روپوں کی طے شدہ قیمت (Estimated Cost) تھے تو اگر خریدار نے روپوں پر قبضہ کر لیا تھا پھر کھوٹا پیسہ واپس کیا گیا اور اس کے بدلے بائع نے کھرا پیسہ لیا یا نہ لیا دونوں صورتوں میں عقد (Contract) بدستور صحیح ہے اسی طرح اگر بائع نے تمام پیسے کھوٹے پائے اور واپس لوٹا دیئے اور ان کے بدلے میں کھرے پیسے لے لئے یا ابھی نہیں لئے تو اس صورت میں بھی بیع درست ہی رہے گی اور روپوں پر قبضہ کرنے سے پہلے سب روپے کھوٹے پائے اور واپس دے دیئے تو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بیع باطل (Null) ہو گئی خواہ اسی مجلس میں بدل کر کھرے پیسے لے لئے ہوں یا نہ لئے ہوں دونوں صورتوں میں بیع باطل (Null) ہے جبکہ صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنھما فرماتے ہیں اگر اسی مجلس میں کھوٹوں کے بدلے کھرے پیسے لے لئے ہوں تو بیع درست رہے گی اور اگر نہ لئے تو بیع باطل ہو جائے گی اور اگر صرف کچھ پیسے کھوٹے پا کر واپس دیئے ہوں تو قیاس (Analogy) یہی ہے کہ فقط اتنے پیسوں ہی میں بیع باطل (Null) ہو مگر امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بطور استحسان (استحسان، ایسے قیاس خفیہ کا نام ہے جو ظاہری قیاس کے مقابلے میں ہوتا ہے۔ مثلاً چیل کا گوشت حرام ہے۔ چنانچہ اس کے لعاب کا بھی یہی حکم ہے۔ پس چیل اگر دہ در دہ گز پانی سے کم میں سے پانی پیے تو اس پانی پر ناپاکی کا حکم ہونا چاہئے کیونکہ جب چیل پانی پیے گی اس کی زبان پانی سے مس ہوگی اور پانی ناپاک ہو جائے گا مگر اس میں استحسان یہ ہے کہ چیل پانی اپنی چونچ میں لیتی اور پھر حلق سے نیچے اتارتی ہے۔ چنانچہ اس کے لعاب کے پانی میں شامل ہونے کا کمزور احتمال ہے جبکہ اس کی چونچ ہڈی کی ہوتی ہے اور سوائے خنزیر کے تمام حیوانات کی ہڈیاں پاک ہیں۔ چنانچہ پانی کی ناپاکی کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ عطاری (Secret Analogy)) فرماتے ہیں کہ اگر واپس دیئے ہوئے پیسے تھوڑے ہوں اور اسی مجلس میں بدل لئے جائیں تو عقد (Contract) اصلاً باطل نہ ہوگا اور اس تھوڑے سے کتنے پیسے مراد ہیں

اس سے متعلق امام صاحب سے مختلف اقوال مروی ہیں ایک قول میں ہے کہ نصف سے زائد کثیر ہیں اور اس سے کم قلیل، دوسری روایت میں ہے کہ نصف بھی کثیر ہیں، تیسری روایت میں ہے کہ تہائی سے زائد ہوں تو کثیر ہیں۔" انتہی ملخصا"

ہم نے ذخیرہ کے حوالے سے بکثرت نقول اس لئے ذکر کیں کہ عنقریب ایک نقل ایک پیسہ کو دو پیسوں کے بدلے میں بیچنے کے خلاف آئے گی لہٰذا یہ بات یاد رہے کہ صاحب ذخیرہ نے ہمارے اس مسئلہ یعنی (پیسوں کو روپے کے بدلے بیچنے) کے بارے میں بہت سی جگہ جواز کا فیصلہ فرمایا ہے اور یہاں اس مسئلے کے خلاف کوئی بات بھی ذکر نہ فرمائی' نیز تنویر الابصار اور در مختار میں ہے کہ اگر کسی نے پیسوں کو پیسوں یا روپوں یا پھر اشرفیوں کے بدلے میں بیچا تو اگر ایک طرف سے قبضہ ہوگیا تو یہ بیع جائز ہے اور اگر کسی ایک کے بھی قبضہ کرنے سے پہلے دونوں جدا ہوگئے تو بیع جائز نہیں۔" انتہی"

الغرض مسئلہ ظاہر ہے اور اس کے بارے میں نقلیں وافر ہیں اگرچہ علامہ قاری الھدایہ نے اپنے فتاوی میں اس کی مخالفت فرمائی اور دونوں جانب کا قبضہ (Barter) شرط فرمایا اور کسی طرف سے بھی ادھار (Delay Usury) ہونے کو حرام ٹھہرایا ہے اس کی عبارت یہ ہے کہ (سوال) ایک مثقال سونا پیسوں کی ڈھیری کے بدلے ادھار بیچنا جائز ہے یا نہیں (جواب) پیسوں کو سونے یا چاندی کے بدلے ادھار بیچنا ناجائز ہے کیونکہ ہمارے علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ ایسی دو چیزیں جو تول کر بیچی جاتی ہوں (سونا' چاندی' تانبا) ان میں سے ایک دوسرے کے بدلے میں بیچنا جائز نہیں مگر جبکہ تول کر دی جانے والی چیز جو کہ ادھار دی جارہی ہے ثمن (Currency) کی قسم سے نہ ہو اور پیسے جنس مبیع سے نہیں ہیں بلکہ انہیں ثمن (Currency) بنالیا گیا ہے۔" انتہی"

جب علامہ حانوتی سے پیسے کو سونے کے بدلے میں ادھار بیچنے کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے اس کا رد فرمایا اور جواب دیا کہ یہ جائز ہے جبکہ دونوں میں سے ایک پر قبضہ ہوگیا ہو کیونکہ بزازیہ میں ہے کہ اگر ایک روپے کے بدلے میں ۱۰۰ پیسے خریدے تو ایک طرف سے قبضہ ہوجانا کافی ہے پھر فرمایا اسی طرح چاندی اور سونا کو پیسوں کے بدلے بیچنا جائز ہے جیسا کہ بحر میں محیط سے ہے پھر فرمایا کہ فتاوی قاری الھدایہ کے قول سے دھوکہ نہ کھایا جائے۔" انتہی"

نہر الفائق میں اسی اعتراض کا یہ جواب دیا کہ قاری الھدایہ کی یہاں بیع سے مراد بدلی یعنی بیع سلم (V.alivrer) ہے کیونکہ پیسے ثمن (Real Money) سے مشابہت رکھتے ہیں اور ثمن (Real Money) کی ثمن (Real Money) سے بیع سلم (V.alivrer) درست نہیں ہے پیسوں میں اصل متاع (Chattel) ہونے کی بنا پر ایک جانب سے قبضہ کرلینا کافی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ان کی دلیل سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ہمارے علماء نے تصریح کی ہے کہ جو چیزیں وزن کرکے بیچی جاتی ہیں ان میں بیع سلم (V.alivrer) جائز نہیں الخ مگر علامہ ابن عابدین نے ردالمحتار میں اسی کو کافی نہ جانا بلکہ مزید فرمایا کہ علامہ قاری الھدایہ کا کلام جامع صغیر سے مفہوم کلام (دونوں طرف سے قبضہ شرط ہے) پر محمول ہے مزید فرمایا کہ اب بزازیہ کے اس قول کہ "وہ مبسوط امام محمد کے کلام پر محمول ہے" سے کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور اس قول سے کچھ پہلے علامہ شامی نے بحر و ذخیرہ کے حوالے سے نقل کیا کہ امام محمد نے مبسوط کی کتاب الصرف میں ایک پیسے کو دو معین پیسوں کے بدلے میں بیچنے کا مسئلہ ذکر فرمایا اور طرفین کے قبضہ (Custody) کو شرط قرار نہیں دیا جبکہ جامع صغیر میں ایسی عبارت ذکر فرمائی جو قبضہ (Custody) طرفین کے شرط ہونے پر دلالت کرتی ہے اسی لئے بعض مشائخ نے اس دوسرے حکم کو صحیح قرار نہیں دیا کیونکہ بیع صرف میں تعیین کے ساتھ دونوں طرف کا قبضہ (Custody) شرط ہے جبکہ یہاں یہ حکم نہیں اور بعض نے اسے درست قرار دیا کیونکہ پیسے ایک جہت سے متاع (Chattel) کا حکم رکھتے ہیں اور ایک جہت سے ثمن (Money) کا لہٰذا پہلی جہت کے سبب کمی بیشی جائز ہوئی اور دوسری کے سبب طرفین کا قبضہ (Barter) شرط ہوا۔

اقول وباللہ التوفیق علامہ شامی نے بحر اور بحر نے ذخیرہ کی اتباع کرتے ہوئے جو یہ کہا کہ جامع صغیر کا کلام دونوں طرف کے قبضہ (Custody) کے شرط ہونے پر دلالت کرتا ہے بندہ ضعیف کو اس میں سخت تامل ہوا تو میں نے جامع صغیر کی طرف رجوع کیا تو اس کی عبارت یوں پائی "امام محمد رضی اللہ تعالی عنہ امام ابو یوسف سے اور وہ امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پیٹ کی دو رطل چربی ایک رطل چکی کی چربی کے عوض یا ایک انڈے کو دو انڈوں یا ایک اخروٹ کو دو اخروٹ یا ایک پیسے کو دو پیسوں یا ایک چھوہارے کو دو چھوہاروں کے عوض نقد دست بدست بیچا اور دونوں معین ہوں تو یہ بیع جائز ہے اور یہی قول امام ابو یوسف رضی اللہ تعالی عنہ کا بھی ہے جبکہ امام محمد رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ ایک پیسے کو دو پیسوں کے عوض بیچنا جائز نہیں جبکہ ایک چھوارے کو دو چھواروں کے بدلے بیچنا جائز ہے"۔" انتہی"

یدا بید (قبضہ) کی تحقیق:

(یدا بید سے مراد ہاتھوں ہاتھ یعنی نقد ہے) لہٰذا ان کا قول دست بدست موضع سند ہے مگر علم فقہ میں مہارت رکھنے والے پر یہ بات عیاں ہے کہ یہ لفظ قبضہ طرفین (Barter) کے شرط ہونے پر نص صریح نہیں ہے (قبضہ طرفین سے مراد خریدنے اور فروخت کرنے والے دو افراد اس چیز قابض ہو

جائیں) کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ ہمارے علماء کرام رحمہم اللہ نے سو (Usury) والی مشہور حدیث میں دست بدست سے دونوں چیزوں کا معین ہونا مراد لیا ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے کہ نبی پاک ﷺ کے ارشاد ''دست بدست'' کے معنی یہ ہیں کہ دونوں جانب تعین ہو جائے (تعین سے مراد یہ ہے کہ اس طرح سے مختص کر دیا جائے کہ وہ دیگر اشیاء سے ممتاز ہو جائے۔) جیسا کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت فرمایا۔''انتہی''

ایسا کیوں نہ ہو حالانکہ ہمارے اصحاب نے فرمایا ہے کہ قبضہ طرفین (Barter) فقط بیع صرف (Mony Exchang) میں شرط ہے اور جہاں تک اس کے علاوہ دوسری صورتوں کا تعلق ہے جن میں سو (Usury) جاری ہو سکتا ہے ان میں فقط تعین شرط ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے اور تنویر الابصار میں ہے کہ جس مال میں سو (Usury) کا احتمال ہو وہاں بیع صرف (Mony Exchang) کے علاوہ ہر قسم کی بیع میں فقط مال کے معین ہونے کا ہی اعتبار ہے قبضہ طرفین شرط نہیں در مختار میں اس عبارت کی شرح میں فرمایا ''یہاں تک کہ اگر گیہوں کے بدلے گیہوں بیچے اور دونوں کو معین کر دیا اور قبضہ کیئے بغیر جدا ہو گئے تو جائز ہے۔''انتہی''

لہٰذا اگر امام محمد علیہ الرحمۃ کے اس قول کو عبارت مذکورہ میں قبضہ طرفین (custody From Both Sides) پر محمول کیا جائے اور اس سے مراد یہ لی جائے کہ پیسوں کے بدلے پیسے بیچنے کی صورت میں قبضہ طرفین (CustodyFrom Both Sides) شرط ہے تو جن کے نزدیک یہ قید (Limitation) ان تمام مسائل کی طرف راجع (Incpudes) ہے ان کے نزدیک کھجور، انڈہ اور اخروٹوں کو آپس میں بیچنے کی صورت میں بھی قبضہ طرفین کا شرط ہونا لازم آئے گا مثلاً صاحب نہر الفائق اور در مختار وغیرھما کیونکہ ان تمام مسائل کو ایک ہی طریقے سے بیان کیا گیا ہے خاص طور پر جامع صغیر کی عبارت میں کیونکہ اس میں تو اس قید (Limitastion) کو کھجور کی بیع کی بعد ذکر کیا گیا ہے اور پیسوں کی خرید و فروخت کا ذکر مذکورہ قید سے پہلے ہے حالانکہ ائمہ میں سے یہ قول کسی کا بھی نہیں ہے لہٰذا یدا بید کو تعین کے شرط ہونے پر محمول کرنا واجب ہے تا کہ امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد کہ ''معین ہوں'' اس ''دست بدست'' کی تفسیر ہو جائے ورنہ اس کلام کا کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ قبضہ طرفین میں تعین زیادتی کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے بعد میں اس کا ذکر کرنا فضول ہے لہٰذا جب امام برھان الدین مرغیانی صاحب ھدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر سے اس مسئلہ کو نقل کیا تو دست بدست کا لفظ اس سے ساقط فرما دیا اور صرف تعین کا ذکر کیا اور لکھا کہ امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک انڈہ دو انڈوں کے عوض ایک کھجور دو کھجوروں کے عوض اور ایک اخروٹ کو دو اخروٹ کے عوض بیچنا جائز ہے نیز ایک پیسہ کو دو معین پیسوں کے عوض بیچنا بھی جائز ہے۔ ''انتہی''

لہٰذا روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ جامع صغیر کا کلام اس بات پر بالکل دلالت نہیں کرتا جسے ان اکابر علماء نے سمجھا۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ جامع صغیر کا کلام اس بات پر دلالت کرتا بھی ہے تو یہاں ایک ظاہر و ناقابل تردید احتمال بھی موجود ہے اور جس بات میں احتمال پیدا ہو جائے وہ حجت نہیں رہتی بخلاف مبسوط کی عبارت کے کیونکہ وہ طرفین کے قبضہ کے شرط نہ ہونے میں نص ہے اور کیسی زبردست نص ہے وہ آپ سن چکے ہیں لہٰذا اس پر اعتماد کرنا چاہئے۔ اور توفیق تو اللہ عظمت والے بادشاہ ہی کی طرف سے ہے۔

یاد رہے کہ یہ کلام تو ہماری طرف سے علامہ شامی کی پیروی میں تھا اور اس سے جامع صغیر کی مراد کو ظاہر کرنا مقصود (Intended) تھا ورنہ حق تو یہ کہ علامہ قاری الھدایہ کے فتویٰ کو اس بات کی حاجت نہیں کہ جامع صغیر کی عبارت کو طرفین کے قبضہ کے شرط ہونے پر محمول کیا جائے ١٣ اور نہ ہی وہ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں ١٤ اور نہ ہی انکا دعویٰ توقف کا ہے کیونکہ وہ تو ادھار کو حرام فرما رہے ہیں اور ادھار کے حرام ہونے کے لئے مبیع و ثمن (Estimated Cos) کا معین ہونا ضروری نہیں ١٥ چہ جائیکہ قبضہ طرفین ضروری ہو کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص ایک روپیہ نقد کے عوض کپڑا بیچے تو اس صورت میں نہ ہی ادھار ہے اور نہ مبیع و ثمن (Estimated Cost) معین ہیں۔ البتہ اگر مبیع و ثمن (Estimated Cos) کو معین کیا جائے تو ادھار کا حرام ہونا لازم ہے کیونکہ وعدہ شے کو آسانی سے حاصل کرنے کی غرض سے کیا جاتا ہے اور معین چیز حاصل شدہ فی الحال ہوتی ہے لہٰذا اگر جامع صغیر کی عبارت سے علامہ قاری الھدایہ کے لئے اس طرز استدلال (Reasoning) کو تسلیم کیا جاتا تو اس کی ایک وجہ ١٦ ہوتی اور اعتراض (Objection) مذکور سے مخالفت رہتی۔

اب میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ یہ بات تو تم پر ظاہر ہے کہ مبیع و ثمن (Estimated Cost) کا معین ہونا صرف اموال ربا میں شرط ہے اور اموال ربا صرف دو قسم کی چیزیں ہیں (١) جو ماپ یا (٢) تول کر بیچی جاتی ہیں جبکہ وہ چیزیں جن کی خرید و فروخت گنتی کر کے ہوتی ہے اموال ربا نہیں۔ فتح القدیر وغیرہ کے باب السلم میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ بیع سلم صرف اموال ربا میں منع ہے جبکہ انہیں اپنی ہی جنس کے عوض بیچا جائے اور گن کر بیچی جانے والی چیزیں اموال ربا میں سے نہیں ''انتہی'' جیسا کہ کنز کے اس قول کی شرح میں کہ ''جب دونوں نہ ہوں تو دونوں حلال ہیں'' بحر الرائق میں فرمایا گیا کہ یعنی جب قدر (Dimension) و جنس (Spesies) دونوں نہ ہوں تو کمی بیشی اور ادھار دونوں حلال ہیں لہٰذا ''ہرات'' کے بنے ہوئے ایک کپڑے کو ''مرو'' کے بنے ہوئے دو کپڑوں کے عوض بیچنا جائز ہے (ہرات اور مرو، دو مقامات کے نام ہیں عطاری) اسی طرح انڈوں کے عوض اخروٹ ادھار بیچنا بھی جائز ہے اور

صاحب کنز نے جو یہ فرمایا کہ بیع صرف کے علاوہ اموال ربا میں تعین کا اعتبار کیا جاتا ہے قبضہ طرفین کا نہیں تو اس کی شرح میں صاحب بحر نے فرمایا کہ اسکی وضاحت امام اسبیجابی کا یہ قول ہے کہ جب ناپ کی چیز کو ناپ والی چیز کے عوض یا تول کر بیچی جانے والی چیز کو تول والی چیز کے عوض بیچا جائے خواہ دونوں کی جنس (Spesies) ایک ہی ہو یا دونوں جنس مختلف ہوں تو بیع کے جواز کے لئے مبیع وثمن (Estimated Cost) دونوں چیزوں کا معین ہونا شرط ہے چاہے وہ چیزیں وہاں حاضر ہو یا غائب البتہ عاقدین (Contractors) کی ملک میں ہونا چاہئیں۔

پیسوں کی باہم بیع میں تعین کو واجب کرنے کی دلیل یہی ہے کہ اگر ایک معین پیسے کو دو غیر معین پیسوں کے عوض بیچا جائے تو بائع کو اختیار ہوگا کہ وہ معین پیسہ اپنے پاس رکھ لے اور مشتری سے دوسرا پیسہ طلب کرے یا معین پیسہ مشتری کو دے کر پھر اسی پیسے کو ایک پیسے کے ساتھ اس سے واپس لے لے کیونکہ اس صورت میں مشتری کے ذمے بائع کے دو پیسے واجب ہو گئے لہٰذا بائع کا اپنا مال تو بعینہ اس کی طرف لوٹ آیا اور دوسرا پیسہ بلا معاوضہ اسے مل گیا۔

اسی طرح سے اگر دو معین پیسوں کو ایک غیر معین پیسے کے عوض بیچا جائے تو مشتری دونوں پیسے لے لے گا اور اس کے ذمے جو پیسہ لازم ہوا ہے اسے انہی دو پیسوں میں سے بائع کو لوٹا دے گا جبکہ دوسرا پیسہ عقد (SaleContract) سے مقصود معاوضہ کے بغیر اسے حاصل ہو گیا جیسا کہ فتح القدیر میں ہے اور اس کے مثل عنایہ وغیرہ میں ہے تیز پیسوں کے عوض روپیہ ادھار بیچنے میں یہ علت (Cause) جاری نہیں ہو سکتی جیسا کہ ظاہر ہے مگر روپوں کے بدلے نوٹ بیچنے میں یہی علت (Cause) جاری ہوگی لہٰذا قاری الھدایہ کی عبارت کا بہترین محمل وہی ہے جو نہر الفائق میں مذکور ہے اس صورت میں وہ امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک روایت نادرہ پر مبنی ہوگی اور اس کا بیان عنقریب آئے گا اور اگر اسے نہ مانا جائے تو کیا ہوا وہ علامہ صاحب کا ایک فتویٰ ہی تو ہے جس کے ساتھ کوئی سند (Support) نہیں ہے اور نہ اس فتویٰ میں اس سے پہلے کوئی انکا مستند (Deed) معلوم نہ ہے اور اس پر کسی نقل سے سند (Support) لائے اور علامہ شامی نے ان کے لئے جو تکلف کیا اس کا حال لہٰذا واضح ہو گیا تو اس حکم کا مقابلہ کیسے ہو سکتا ہے جس پر ان اکابر علماء کے کلمات متفق ہیں جن کے اسمائے گرامی اوپر مذکور ہوئے اور اس حکم میں ان کی دلیل مبسوط میں مذکور امام محمد کا قول ہے اور بے شک وہی قول فیصل ہے۔

پھر یہ کہ علامہ قاری الھدایہ نے اس کے علاوہ جو ذکر کیا ہے اس میں ہمارے مذہب حنفی کے مسائل سے دو صریح بھولیں (Forgetfuliness) ہیں ایک بھول تو اس بات سے کہ پیسے اصطلاح (Terminalogy) کی وجہ سے وزن والی چیز سے نکل کر گن کر بیچنے والی چیز ہو گئے حالانکہ ہمارے علماء نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے اور دوسری بھول اس سے جس پر ہمارے علماء نے نص فرمائی کہ پیسوں کا ثمن (Currency) ہونا بائع اور مشتری کی اپنی اصطلاح سے باطل ہو سکتا ہے اور ثمن باطل ہونے سے پیسوں کا گنتی والی چیز ہونیکی اصطلاح باطل نہیں ہوتی اور ان تمام باتوں کی ہدایہ وغیرہ میں تصریح ہے ہدایہ کی عبارت یہ ہے کہ "امام اعظم اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ کسی شے کا بائع و مشتری کے حق میں ثمن ہونا ان کی اپنی اصطلاح سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ غیر کو عاقدین پر ولایہ (Guard Ship) حاصل نہیں لہٰذا وہ اپنی اصطلاح میں ثمنیت کو باطل بھی کر سکتے ہیں اور ثمنیت باطل ہو جانے کے بعد پیسوں کو معین کرنے سے پیسے معین بھی ہو جائیں گے نیز ثمنیت باطل ہونے سے پیسے تولنے والی چیز نہیں ہو جائیں گے کیونکہ اصطلاح میں ان کا گنتی والی شے ہونا باقی ہے۔" "انتہی"

عنقریب ہم تمہیں بتائیں گے کہ امام محمد بھی بیع سلم میں ثمنیت کے باطل ہونے کو تسلیم کرتے ہیں، مگر انہوں نے بیع میں دلیل نہ ہونے کی وجہ سے اس کا انکار فرمایا اس تفصیل سے اس مسئلہ پر ہمارے تمام ائمہ کا اجماع ثابت ہوا لہٰذا اس صورت میں روپے یا اشرفی کے عوض پیسوں کی بیع سلم کرنا ثمن (Money) کی بیع سلم (V.alivrer) نہیں اور نہ ہی اس صورت میں تول کر دی جانے والی دو چیزوں کی بیع سلم ہے بلکہ تول والی چیز کے عوض گن کر بیچی جانے والی چیز کی بیع سلم ہے جس کے افراد آپس میں مشابہت رکھتے ہیں اور ہمارے علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا اجماع ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

الحاصل بندہ ضعیف (امام اہلسنت علیہ الرحمۃ) اس فتویٰ کے صحیح ہونے کی کوئی وجہ نہیں جانتا آپ غور کریں شاید ان کے کلام کے لئے کوئی ایسی وجہ ہو جو کہ میں اپنی کم فہمی سے نہ جان پایا ہوں اور کیا عجب کہ ان علامہ کثیر المعرفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بنسبت میں ہی غلطی سے زیادہ قریب ہوں۔

پھر میں یہ کہتا ہوں کہ اگر ہم اسے تسلیم کر بھی لیں تو پھر بھی ہمیں یہ کہنے کا اختیار حاصل ہے کہ علامہ صاحب کا بیان کردہ حکم پیسوں ہی میں جاری ہوتا ہے جبکہ نوٹ دراصل تول والی چیز نہیں ہے کیونکہ کاغذ کے پرچے عرف میں کبھی نہیں تولے جاتے (اس بات کا تعلق امام اہلسنت کے زمانے کے عرف سے ہے۔ جبکہ ہمارے عرف میں کاغذ دونوں طرح سے بکتا ہے۔ یعنی تول کر بھی اور گن کر بھی۔ ہاں جہاں تک نوٹ کا تعلق ہے وہ ابھی گن کر فروخت ہوتا ہے تول کر نہیں فروخت ہوتا۔ اس کی واضح مثال عیدین یا دیگر تہوار کے مواقع پر لوگ کڑک اور نئے نوٹوں کی دستیاں زائد رقم میں خریدتے ہیں اور یہ سارا معاملہ گن کر ہوتا ہے مگر خیال رہے کہ اگر نوٹ کو نوٹ کے عوض بیچا جائے تو کمی بیشی جائز ہے مگر ہم جنس یعنی کاغذ ہونے کی وجہ سے ادھار نا جائز ہے۔

ہاں البتہ اگر مختلف ممالک کے نوٹ ہوں تو ایک جانب سے قبضہ کافی ہے مثلاً پاکستانی روپیہ کو سعودی ریال کے بیچا تو ریال یا روپیہ میں سے ایک پر مجلس

میں قبضہ کافی ہے۔عطاری) لہٰذا پیانہ (Measure) کاغذ کو شامل نہ ہوا جیسے غلہ سے ایک مٹھی (Hand Ful) اور سونے سے ایک ذرہ کو پیانہ شامل نہیں ہوتا لہٰذا ہمارا یہ مسئلہ ہر حال میں مخالفت سے محفوظ ہے اور تمام خوبیاں تو اللہ بزرگی والے کے لئے ہی ہیں۔ تحقیق (Research) ایسی ہی ہونی چاہئے اور توفیق کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

سوال ۱۰ : کیا اس نوٹ میں بیع سلم ۱۹ جائز ہے؟

الجواب: جی ہاں نوٹ میں بیع سلم جائز ہے لیکن بعض اوقات نوٹ کے ثمن (Real Money) ہونے کی وجہ سے اسے ناجائز بھی کہا جاتا ہیں کیونکہ ثمن (Real Money) میں بیع سلم جائز نہیں اس کی تفصیل نہر الفائق کے حوالے سے پیچھے گذر چکی۔

پیسوں میں بیع سلم کے جواز کی تحقیق:

مگر تحقیق یہ ہے کہ نوٹ میں بیع سلم کا بیان امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ سے مروی ایک روایت نادرہ پر مبنی ہے ورنہ متون میں تو پیسوں میں بیع سلم کے جواز پر نص ہے ہاں ثمن خلقی (Real Money) میں بیع سلم جائز نہیں اور ثمن خلقی (Real Money) صرف سونا اور چاندی ہے ان کے علاوہ کوئی اور نہیں کیونکہ بائع و مشتری سونا' چاندی کی ثمنیت کو باطل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے جبکہ ثمن اصطلاحی (Currency) کی ثمنیت باطل کی جاسکتی ہے تنویر الابصار اور در مختار میں ہے کہ بیع سلم ہر اس چیز میں جائز ہے جس کی نوعیت کا اندازہ ہو سکے مثلاً اس چیز کا کھرا یا کھوٹا ہونا اور اس کی قدر (Dimension) کی پہچان ہو سکے مثلاً ناپ والی چیز یا موزونی چیز مصنف کے اس قول سے کہ (وہ چیز ثمن (Currency) نہ ہوں) روپے اور اشرفیاں بیع سلم کے جواز سے نکل گئے کیونکہ یہ دونوں ثمن (Currecny) ہیں لہٰذا ان میں بیع سلم جائز نہیں اس مسئلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا احناف سے اختلاف ہے یا وہ گن کر بیچی جانے والی چیز ہو مگر ایسی ہو کہ حجم (Size) میں زیادہ فرق نہ ہو جیسے اخروٹ یا انڈے اور پیسے الخ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ مصنف نے جو یہ فلس (پیسہ) کہا بہتر یہ ہے کہ فلوس (پیسے) کہتے کیونکہ فلس واحد کا صیغہ ہے اسم جنس نہیں ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں امام محمد کا اختلاف ہے کیونکہ وہ دو پیسوں کو ایک پیسے کے بدلے میں بیچنے سے منع فرماتے ہیں مگر ان سے جو روایت مشہورہ مروی ہے اس کے مطابق یہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ کے جواز پر متفق ہیں اور انکا جو قول صاحبین کے مخالف ہے نہر وغیرہ میں منقول ہے۔"انتہیٰ"

شاید نہر الفائق نے یہ بات قاری الہدایہ کے فتویٰ کی تاویل کے لئے ظاہر کی تاکہ یہ بات ان کے فتویٰ کے لئے سند (Support) ہو جائے اگر چہ وہ سند قول شاذ ہی ہو حالانکہ انہوں نے اس قول کی بنا پر علامہ قاری الھدایہ کے فتویٰ پر اعتماد نہیں کیا نیز ہدایہ میں ہے کہ اسی طرح پیسوں میں بھی بیع سلم جائز ہے جبکہ گنتی کر کے دیئے جائیں اور ایک قول یہ ہے کہ پیسوں میں بیع سلم امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کے نزدیک جائز ہے جبکہ امام محمد کے نزدیک ناجائز ہے کیونکہ پیسے ثمن (Currecny) ہیں صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ پیسوں کا ثمن (Currecny) ہونا بائع و مشتری کی اصطلاح (Terminology) کی وجہ سے ہے لہٰذا پیسوں میں بیع سلم کرنے کی صورت میں ان کی اپنی اصطلاح (Terminology) سے پیسوں کی ثمنیت باطل ہو جائے گی فتح القدیر میں ہے کہ پیسوں میں بیع سلم جائز ہے جبکہ گنتی کر کے ہو امام محمد نے بھی اس قول کو جامع میں ذکر فرمایا مگر کسی اختلاف کو ذکر نہ فرمایا اور یہی قول امام محمد سے روایت مشہورہ کے طور پر مروی ہے جبکہ بعض علماء نے یہ فرمایا کہ یہ قول تو شیخین کا ہے جبکہ امام محمد کے نزدیک یہ بیع سلم جائز نہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ ان کے نزدیک دو پیسوں کو ایک پیسے کے عوض بیچنا منع ہے کیونکہ پیسے ثمن ہیں اور ثمن میں بیع سلم جائز نہیں لہٰذا ان میں بھی بیع سلم جائز نہیں مگر امام محمد سے مروی روایت مشہورہ میں ان کے نزدیک بھی پیسوں میں بیع سلم جائز ہے اور امام محمد کے نزدیک بیع مطلق اور بیع سلم میں یہ فرق ہے کہ بیع سلم میں ضروری ہے کہ جو چیز بعد میں دینا قرار پائے وہ ثمن نہ ہو لہٰذا جب بائع و مشتری پیسوں میں بیع سلم کو منعقد کریں گے تو گویا انہوں نے ضمناً ان کی ثمنیت کی اصطلاح (Terminology) کو باطل کر دیا اور پیسوں کی بیع سلم اسی طریقے سے جائز ہے جس طریقے سے ان کا لین دین ہوتا ہے یعنی گن کر۔ بخلاف بیع مطلق کے کیونکہ بیع مطلق تو ثمن (Currency) پر بھی منعقد ہو سکتی ہے لہٰذا بیع میں پیسوں کو ثمنیت سے خارج کرنے کا موجب کوئی نہیں لہٰذا کمی بیشی جائز نہ ہوئی اور ایک پیسے کی دو پیسوں کے عوض بیع منع ٹھہری۔

مگر میں کہتا ہوں کہ اس فرق پر ایک اعتراض (Objection) وارد ہو سکتا ہے کیونکہ امام محمد اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ عاقدین (Contractors) کے فقط ارادہ کرتے ہی پیسوں کا ثمن (Currency) ہونا باطل ہو جائے گا حالانکہ باقی سب لوگ ان کے ثمن (Currency) ہونے پر متفق ہیں۔ ہدایہ میں فرمایا کہ امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایک پیسے کو دو معین پیسوں کے عوض بیچنا جائز ہے اور امام محمد فرماتے ہیں کہ ناجائز ہے کیونکہ پیسوں کا ثمن (Currency) ہونا تمام لوگوں کی اصطلاح (Terminology) سے ثابت ہوتا ہے لہٰذا فقط عاقدین (Contractors) کی اصطلاح (Terminology) سے باطل نہ ہو گا نیز جب پیسوں کی ثمنیت باقی رہے تو

وہ متعین(Fixd) نہیں ہوتے گویا معاملہ ایک غیر معین پیسے کو دو غیر معین پیسوں کے بدلے بیچنے اور ایک معین روپے کو دو غیر معین روپوں کے بدلے بیچنے کی طرح ہو گیا اور شیخین ؒ کی دلیل یہ ہے کہ عاقدین(Contractors) کے لئے ثمنیت انہی کی اصطلاح(Terminology) سے ثابت ہوتی ہے الخ لہٰذا اگر یہ پیسوں کی ثمنیت باطل کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں لہٰذا جب ثمنیت باطل ہو گی تو پیسے متعین(Fixd) ہو جائیں گے محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں امام ابو یوسف کی اس دلیل کو اسی طریقے سے مقرر رکھا لہٰذا امام محمد کیسے فرما سکتے ہیں کہ عاقدین (Contractors) کا پیسوں میں بیع سلم کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے ان کے ثمن(Currency) ہونے کی اصطلاح (Terminology) کو باطل مان لیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک فقط عاقدین(Contractors) ثمنیت کی اصطلاح (Terminology) کو باطل نہیں کر سکتے جبکہ باقی لوگ پیسوں کو ثمن(Currency) مانتے ہوں مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام محمد کے اس قول کے ذریعہ انکا پہلی علت(Cause) سے رجوع ثابت ہوتا ہے حالانکہ وہ علت(Cause) امام محمد سے منقول نہیں بلکہ مشائخ کی پیدا کردہ ہے تو اب اس فرق سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ امام محمد کے نزدیک وجہ وہ علت(Cause) نہیں ہے بلکہ امام محمد بھی اس بات کے قائل ہیں کہ عاقدین(Contractors) کو اپنے حق میں ثمنیت باطل(Terminate) کرنے کا اختیار ہے مگر یہ ثمنیت اس وقت باطل ہو گی جب عاقدین(Contractors) سے ثمنیت باطل کرنے کا ارادہ ثابت ہو جائے اور بیع سلم میں یہ ارادہ ضرور ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں جو چیز بعد میں لینا قرار پاتی ہے وہ کبھی ثمن(Money) نہیں ہو سکتی لہٰذا ان کا پیسوں میں بیع سلم کرنا ان کی ثمنیت باطل(Terminate) کرنے کی دلیل ہے جبکہ مطلق بیع میں یہ ارادہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس میں مبیع(Sold) کا غیر ثمن (Currency) ہونا ضروری نہیں لہٰذا عاقدین(Contractors) سے اصطلاح(Terminology) ثمنیت کو باطل (Terminate) کرنا ثابت ہوا تو بیع مطلق میں پیسوں کا ثمن(Currency) ہونا باقی رہا لہٰذا وہ متعین(Fixd) نہ ہوئے اسی لئے بیع سلم باطل ہو گئی اور کبھی کبھار اس مسئلہ میں امام محمد کے قول کو بھی ترجیح دی جاتی ہے اسے خوب سمجھ لو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال ۱۱: کیا نوٹ کو اس کی مالیت سے زائد قیمت کے بدلے بیچنا جائز ہے مثلاً بارہ کا نوٹ دس یا بیس کے نوٹ کے عوض بیچنا؟

الجواب: جی ہاں نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہو اس سے کم یا زائد جس پر بیچنے والا اور خریدار دونوں راضی ہو جائیں اس قیمت میں بیچنا جائز ہے کیونکہ پچھلے کلام میں گذر چکا ہے کہ نوٹ کی قیمت کی مقدار(Quantity) فقط لوگوں کی اصطلاح(Terminology) سے مقرر ہوئی ہے اور بائع ومشتری پر کسی غیر کو ولایت(Guardian Ship) حاصل نہیں جیسا کہ ہدایہ اور فتح القدیر کے حوالے سے گزرا لہٰذا ان دونوں کو اختیار ہے کہ نوٹ کو مقررہ قیمت سے کم یا زیادہ جتنی قیمت میں چاہیں بیچیں عقل مند کے لئے تو اتنا ہی جواب کافی ہے میں نے کئی مرتبہ اسی موقف کے مطابق فتویٰ دیا اور اکابر علماء ہند میں سے متعدد علماء نے بھی یہی فتویٰ دیا مثلاً فاضل کامل مولوی ارشاد حسین رامپوری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اس فتویٰ میں مجھ سے صرف ایک شخص (مولوی عبدالحی لکھنوی) نے اختلاف کیا جنہیں اکابر علماء میں شمار کیا جاتا ہے مجھے ان کے اختلاف کی اطلاع ان کی موت کے بعد اس وقت ہوئی جب کچھ مختصر اوراق ان کے فتاویٰ کے نام سے چھپے اگر ان کی حیات میں ان سے اس مسئلہ پر میرا تبادلہ خیال ہوتا تو امید تھی کہ وہ اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیتے کیونکہ ان کی عادت تھی کہ اگر انہیں سمجھایا جاتا اور بات ان کی سمجھ میں آجاتی تو وہ اپنے موقف سے رجوع کر لیا کرتے تھے لہٰذا ہم اس مسئلہ کو قدرے تفصیل و وضاحت سے بیان کرتے ہیں تاکہ حق کو قبول کیے بغیر کوئی چارہ نہ رہے۔

جواز کی پہلی دلیل:

لہٰذا پہلے میں یہ کہوں گا کہ ہمارے جمہور علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ سود(Usury) کے حرام ہونے کی علت(Cause) اتحاد جنس کے وقت ناپ تول میں کمی بیشی ہے لہٰذا اگر قدر(Dimension) و جنس(Species) دونوں پائی جائیں تو زیادتی اور ادھار دونوں حرام ہوتی ہیں اور اگر قدر و جنس دونوں نہ پائی جائیں تو زیادتی و ادھار دونوں حلال ہیں اور اگر دونوں میں سے ایک پائی جائے تو زیادتی حلال اور ادھار حرام ہے یہ ایسا قاعدہ(Rule) ہے جو کہیں نہیں ٹوٹتا اور سود(Usury) کے تمام مسائل کا دارومدار اسی قاعدے(Rule) پر ہے نیز یہ بات نہایت واضح ہے کہ نوٹ اور روپیہ نہ تو قدر(Dimension) میں برابر ہے اور نہ ہی جنس میں جنس میں تو اس لئے نہیں کہ نوٹ کاغذ کا ہے اور روپیہ چاندی کا جبکہ قدر(Dimension) میں اس لئے نہیں کہ نوٹ کا لین دین نہ تو ناپ کر کیا جاتا ہے اور نہ ہی تول کر بلکہ اس کا لین دین گن کر کیا جاتا ہے لہٰذا نوٹ کو زائد قیمت پر اور ادھار بیچنا دونوں جائز ہیں لہٰذا ظاہر ہوا کہ نوٹ سرے سے مال ربوی (ایسا مال جس میں سود کا حکم جاری ہوتا ہے) نہیں ہے ہم عنقریب اس کی مزید تحقیق(Research) بیان کریں گے ان شاء اللہ عزوجل۔

دوسری دلیل :

ردالمحتار وغیرہ میں فرمایا جب جب زیادتی حرام ہوگی تو ادھار بھی حرام ہوگا اور اس کا عکس نہ ہوگا یعنی کہ جب جب زیادتی حلال ہو ادھار بھی حلال ہو اور جب جب ادھار جائز ہو تو زیادتی بھی حلال ہوگی اور اس کا عکس نہ ہوگا کہ جب جب ادھار نا جائز ہو زیادتی بھی نا جائز ہو۔

اور ہم نویں سوال میں نوٹ میں ادھار کے جائز ہونے پر دلیل قطعی قائم کر چکے ہیں لہٰذا نوٹ میں زیادتی کا حلال ہونا واضح ہو گیا مزید تفصیل کا انتظار کرو۔

تیسری دلیل:

سرکار ﷺ ارشاد فرماتے ہیں جب جنس (Specise) مختلف ہو تو جیسے چاہو بیچو اس حدیث کو امام مسلم نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت کے بعد منع کرنے کی کسے جرات ہے یہ ایسی روشن دلیلیں ہیں کہ بچے پر بھی مخفی نہیں۔

چوتھی دلیل:

اب ہم تمہارے سامنے ایک ایسی چیز بیان کریں گے جس سے تمہاری عقل میں کچھ شبہ پیدا ہوگا پھر میں حقیقت بیان کر کے اس شبہ کا ازالہ کر دوں گا۔

میں کہتا ہوں ذرا یہ بتایئے کہ کیا آپ اور ہر عقل فہم رکھنے والا نہیں جانتا کہ وہ چیز جس کی عام قیمت سب کے نزدیک دس روپے ہے ہر شخص کو اختیار ہے کہ خریدار کی مرضی سے اسے سو روپے میں بیچ دے یا ایک پیسہ کے بدلے دیدے شریعت نے اس سے ہر گز منع نہیں فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

الاان تکونَ تجارةً عن تراض منکم

"مگر یہ کہ سودا تمہاری آپس کی رضامندی کا ہو"

اور بیشک فتح القدیر کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ اگر کوئی شخص کاغذ کے ایک ٹکڑے کو ہزار روپے میں بیچے تو جائز ہے اور اس میں بالکل کراہت نہیں نیز ہر شخص جانتا ہے کہ کاغذ کے ایک ٹکڑے کی قیمت ایک ہزار روپے (Silver Coins) ہر گز نہیں ہو سکتی اور نہ ہی سو روپے (Silver Coins) ہو سکتی ہے بلکہ ایک روپیہ (Silver Coin) بھی نہیں ہو سکتی تو اس نوٹ کی اتنی بڑی قیمت ہونے کا سبب یہی ہے کہ قیمت اور ثمن (Estimated Cost) جدا جدا چیزیں ہیں اور بائع و مشتری پر قیمت (بازار کے ریٹ) کی پابندی ثمن (Estimated Cost) دونوں کی مقررہ قیمت میں) ضروری نہیں بلکہ ان دونوں کو اختیار ہے کہ چاہیں تو بازاری قیمت سے کئی گنا زیادہ قیمت پر رضامند ہو جائیں اور چاہیں تو قیمت کے سوویں حصے پر راضی ہو جائیں۔

لکھنوی صاحب کی طرف سے ایک شبہ:

اگر تم یہ کہو کہ یہ تو متاع (Chattels) کا حکم ہے جبکہ نوٹ ثمن اصطلاحی (Currency) ہے۔

اس کا پہلا جواب تو میں یہ کہوں گا اگر نوٹ ثمن اصطلاحی (Currency) ہے تو کیا ہوا تم نے اصطلاحی کہہ کر خود ہی جواب دے دیا کیونکہ دوسروں کی اصطلاح (Terminology) عاقدین (Contractors) کو مجبور نہیں کر سکتی لہٰذا فرق ظاہر اور حق واضح ہو گیا۔

دوسرا جواب اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ عاقدین (Contractors) نوٹ کی ثمنیت کو باطل (Nill) نہیں کر سکتے تو یہ بتاؤ کہ تم نے یہ کہاں سے کہا کہ اصطلاحی ثمن (Currency) کو مالیت کی مقررہ مقدار (Quantity) سے پھیرنا جائز نہیں کیا تجھے معلوم نہیں کہ ایک روپے کے پیسے عرف کے معین کرنے سے ہمیشہ متعین (Fixde) رہتے ہیں اور یہ بات ہر سمجھدار بچہ بھی جانتا ہے کہ ایک روپیہ سولہ آنے کا ہوتا ہے پندرہ یا سترہ آنے کا نہیں ہوتا پھر یہ عرفی تعین اور پیسوں کا ثمن اصطلاحی (Currency) ہونا بائع و مشتری پر کمی بیشی حرام نہیں کرتا نیز تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار میں ہے کہ اگر کسی نے صراف (Money Changer) کو ایک روپیہ دیا اور کہا اس کے بدلے مجھے آٹھ آنے اور ایک سکہ جو اٹھنی سے رتی بھر کم ہو دے دو تو یہ بیع جائز ہے روپے کی اتنی چاندی جو چھوٹے سکے کے برابر ہو وہ آٹھ آنے کے عوض ہو جائے گی اور باقی کے عوض پیسے مل جائیں گے۔ "انتہی"

اور ہدایہ کی عبارت کچھ اس طرح سے ہے "اگر کہا آٹھ آنے کے پیسے دیدو اور رتی کم اٹھنی تو یہ بیع جائز ہے"۔

تیسرا جواب اصطلاحی سے اوپر سونا' چاندی کی طرف چلیں کیونکہ یہ ثمن خلقی (Real Money) ہیں اور کوئی شخص ان کی ثمنیت باطل نہیں کرسکتا نیز ہر عقلمند یہ جانتا ہے کہ سونے کی ایک اشرفی (Gold Coin) ہمیشہ چاندی کے کئی روپوں (Silver Coins) کے برابر ہوتی ہے اور کوئی اشرفی ہرگز ایک روپے کے برابر نہیں ہوتی اس کے باوجود ہمارے ائمہ نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ ایک اشرفی کو چاندی کے ایک روپے کے عوض بیچنا درست ہے اور اس میں اصلا سو (Usury) نہیں اور اس کی وجہ علت (Cause) فقط یہ ہے کہ جب جنس (Species) مختلف ہو جائے تو کمی بیشی جائز ہو جاتی ہے اور نوٹ اور روپوں (Silver Coins) کی جنس (Species) کا مختلف ہونا سوائے پاگل کے ہر ایک پر ظاہر ہے درمختار اور ہدایہ کی طرح دیگر کتب میں فرمایا کہ ایک اشرفی (Gold Coin) اور دو روپوں (Silver Coins) کو ایک روپے (Silver Coins) اور دو اشرفیوں (Gold Coins) کے بدلے بیچنا درست ہے اس صورت میں ہر جنس کو جنس مخالف کے مقابل کر دیا جائے گا اسی طرح گیارہ روپوں (Silver Coins) کو دس روپے (Silver Coins) اور ایک اشرفی (Gold Coin) کے عوض بیچنا بھی درست ہے۔" انتہی"

ردالمحتار میں اس کی شرح میں فرمایا کہ دس روپے تو دس روپوں کے عوض ہو جائیں گے اور گیارواں روپیہ اشرفی (Gold Coin) کا عوض ہو جائے گا انتہی لہٰذا جب ایک اشرفی کو جو عموماً پندرہ روپے کے برابر ہوتی ہے ایک روپے کے بدلے بیچنا درست اور اس میں بالکل سو (Usury) نہیں تو دس کے نوٹ کو بارہ روپوں کے عوض بیچنے میں سو (Usury) کیسے ہوگا؟

ایک اعتراض کی تقریر:

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ جو مسائل آپ نے بیان کئے ان صورتوں میں بیع اگرچہ درست ہے مگر مکروہ ہے اور مکروہ کام ممنوع ہوتا ہے لہٰذا اگرچہ مکروہ کام کرنے سے وہ کام ہو تو جاتا ہے مگر حلال نہیں ہوتا اسی طرح ان صورتوں میں بیع اگرچہ ہو جاتی ہے مگر حلال نہیں ہوتی ہدایہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص چاندی کو چاندی یا سونے کو سونے کے عوض بیچے اور ایک طرف کمی ہو اور اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اس میں کسی ایسی چیز کا اضافہ کر دے جس سے کمی پوری ہو جائے تو بیع بلا کراہت جائز ہے اور اگر کمی پوری نہ ہو تو یہ بیع ہو تو گی مگر مکروہ ہے اور اگر اس اضافہ شدہ چیز کی کوئی قیمت نہ ہو جیسے کہ مٹی کی کوئی قیمت نہیں ہوتی تو اس صورت میں بیع جائز ہی نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں سو (Usury) موجود ہے کیونکہ ایک طرف سونے یا چاندی کی جتنی زیادتی ہے دوسری طرف اس کے مقابلے میں کچھ نہیں لہٰذا اس صورت میں سود پایا گیا۔" انتہی"

اس کلام کو فتح القدیر اور دیگر شروحات اور بحر وردالمحتار وغیرھا میں اسی طرح برقرار رکھا گیا اور یہ بات تو واضح ہے کہ جب لفظ کراہت مطلق بولا جائے تو اس سے مراد کراہت تحریمہ ہوتی ہے بلکہ فاضل عبدالحلیم نے حاشیہ درر میں اس مسئلہ کو نقل کر کے اس کی تفصیل کو فتح القدیر کے حوالے کیا اور کہا جب آپ کو یہ مسئلہ معلوم ہو چکا تو سنو کہ سلطنت عثمانیہ میں جو یہ رائج ہے کہ ایک قرش (ترکی کی کرنسی کا ایک سکہ) کو ۴۰ عثمانی روپوں کے بدلے بیچا جاتا ہے جائز نہیں کیونکہ قرش مالیت میں زیادہ ہوتا ہے ہاں اگر روپوں کے ساتھ ایک پیسہ کا بھی اضافہ کر دیا جائے تو یہ خرید و فروخت جائز ہے مگر مکروہ ہے لہٰذا محتاط لوگوں پر واجب ہے کہ وہ لین دین کے وقت وزن برابر کر لیں یا پھر روپوں کے ساتھ اتنی قیمت والی چیز ملا لیں جتنی قرش میں روپوں سے زائد ہوتی ہے تاکہ کراہت سے بچ سکیں۔" انتہی"

جب انہوں نے کراہت سے بچنے کو واجب قرار دیا تو واجب کا خلاف مکروہ تحریمی ہوا اور مکروہ تحریمی گناہ ہوتا ہے لہٰذا بیع کی یہ تمام صورتیں گناہ ہوئیں۔

جواب: میں یہ کہوں گا کہ میں نے آپ کے سامنے اس انداز میں اعتراض (Objection) کی تقریر کر دی کہ اگر آپ اپنی طرف سے اعتراض کرتے تو شاید اس سے بہتر اعتراض نہ کر سکتے اور لیجئے اب وہاب جل جلالہ کی توفیق سے جواب سنیے۔

اول:...... آپ یہ بتایئے کہ کسی چیز کی خلقیت (پیدائش) اور اصطلاح (Terminology) کا فرق آپ کے ذہن سے کہاں چلا گیا کیونکہ سونے کی مالیت کا چاندی کی مالیت سے کئی گنا زائد ہونا ایک خلقی امر ہے جس میں کسی کے فرض کرنے یا مقرر کر دینے کو بالکل دخل نہیں اس لئے ایک روپے کے عوض ایک اشرفی کے لین دین کے وقت مالیت کی زیادتی ہر ایک کے ذہن میں آجائے گی بخلاف نوٹ کے کیونکہ اگر اس کی قیمت دس روپے (Silver Coins) ہے تو یہ صرف لوگوں کی اصطلاح (Terminology) کی بناء پر ہے ورنہ کاغذ بذات خود ایک روپے کا بلکہ روپے (Silver Coin) کے دسویں حصے کا بھی نہیں ہوتا۔ اگر آپ اصل کا لحاظ کریں تو دس کا نوٹ دس روپے (Silver Coins) کے عوض بیچنے کی صورت میں بھی مالیت میں زیادتی ہے اور اگر اصطلاح کو دیکھیں تو اصطلاح کا لحاظ بائع و مشتری پر ضروری نہیں بلکہ یہ لوگ اصطلاح باطل بھی کر سکتے ہیں جیسا کہ ہم آپ کو ہدایہ اور فتح القدیر کے اقوال سنا چکے۔ لہٰذا جب لوگوں نے نوٹ کو دس روپے کا قرار دے دیا حالانکہ یہ اصل میں

شاید ایک ہی پیسے کا ہو تو بائع و مشتری کو دس کا نوٹ دس سے کم یا زیادہ قیمت میں بیچنے سے کون منع کر سکتا ہے اس بات کا ہماری بحث سے کوئی تعلق نہیں۔

دوم:......ان کا کلام اس صورت میں ہے جب ایک جنس (Species) کے عوض اسی جنس (Species) کا لین دین ہو کیونکہ اسی میں زیادتی ظاہر ہوتی ہے کیا آپ نے ہدایہ کا یہ قول نہیں دیکھا کہ "جب چاندی کے عوض چاندی یا سونے کے عوض سونا بیچا اور ایک طرف کمی ہے" یہ نہیں کہا کہ سونے کو چاندی کے عوض اس حال میں بیچا کہ قیمت معروف کی بہ نسبت ایک طرف مالیت کم ہے لہٰذا سونے کو اپنے مساوی سونے کے مقابل کرنے سے زیادتی ظاہر ہو جائے گی اور اس وقت عقل یہ تمیز کر دے گی کہ جو چیز کم چیز کے ساتھ ملائی گئی ہے اس زیادتی کی مقدا (Quantity) کو پہنچی یا نہیں بخلاف اس بات کے کہ نوٹ کو روپوں کے عوض بیچا کیونکہ وہ دو مختلف جنسیں ہیں تو پھر زیادتی کیسے ظاہر ہو گئی اور یہ فرع اس اصل کے مطابق کیسے ہو گی۔

سود کی تعریف:

فتح القدیر میں علامہ محقق علی الاطلاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سو (Usury) اس زیادتی (Exces) کو کہتے ہیں جس کا حقدار عقد معاوضہ میں عاقدین میں سے کسی ایک کو قرار دیا جائے اور اس زیادتی کے مقابلے میں کوئی عوض اس عقد (Contract) میں شرط نہ کیا گیا ہو اور آپ کو معلوم ہو گا کہ عوض سے خالی ہونا اس وقت ثابت ہو گا جب کسی شے کا مقابلہ اسی کی جنس (Species) سے کیا جائے۔"انتہی"

اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جب دو چیزیں مختلف جنس کی ہوں تو جیسے چاہو بیچو" یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت ہے وہی صاحب شرع ہیں انہی کی طرف رجوع اور انہیں کے ہاں پناہ ہے لہٰذا جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جائز کی ہوئی چیز کو منع کرے تو اس کا منع کرنا اسی کی طرف رد کیا جائے گا اور اس کی بات ہرگز نہیں سنی جائیگی۔

سوم:......جس حالت میں کم چیز کے ساتھ ملائی ہوئی چیز کی قیمت زیادتی کی مقدا (Quantity) کو نہ پہنچے اس کا مکروہ ہونا صرف امام محمد علیہ الرحمہ سے مروی ہے حالانکہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن کا قول مذہب حنفیہ میں سب سے مقدم ہوتا ہے تصریح فرمائی ہے کہ اس میں بالکل کراہت نہیں محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اس مسئلہ کو ذکر کر کے فرمایا امام محمد سے بیع عینہ کے بارے پوچھا گیا کہ آپ اسے کیسا پاتے ہیں فرمایا پہاڑ کی طرح گراں، حالانکہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا مکروہ ہونا ثابت نہیں ہے۔ بلکہ ایضاح میں یہ تصریح موجود ہے کہ امام اعظم کے نزدیک اس صورت میں کوئی حرج نہیں۔"انتہی"

عنقریب اسی کے مثل بحر سے بحوالہ قنیہ ایک مسئلہ پیش کیا جائے گا جس میں امام بقالی نے فرمایا کہ اس صورت کا مکروہ نہ ہونا امام اعظم اور امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کا مذہب ہے نیز فتاویٰ عالمگیری میں باب الکفالۃ سے کچھ پہلے امام سرخسی کی محیط کے حوالے سے امام محمد کا قول نقل ہے کہ اگر ایک روپے کو ایک روپے کے عوض بیچا اور ان میں سے ایک روپے کا وزن دوسرے سے زیادہ ہو نیز کم وزن والے روپے کے ساتھ کچھ پیسے ملا دیئے تو یہ بیع جائز ہے مگر میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں کیونکہ اس طرح سے لوگ اس کے عادی (Habitual) ہو جائیں گے اور ناجائز کاموں میں بھی اس پر عمل شروع کر دیں گے جبکہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ روپے میں پائی جانے والی وزن کی زیادتی کو پیسوں کے مقابل کر دینے سے اس بیع کو درست قرار دینا ممکن ہے الحاصل امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت مشہور و معروف ہے اور یہ تو سب کو معلوم ہے کہ عمل اور فتویٰ ہمیشہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر ہوتا ہے مگر ضرورت کے تحت جیسے مسلمانوں کا عمل امام کے قول کے خلاف ہو جائے تو صاحبین وغیرہما کے قول پر فتویٰ دے دیا جاتا ہے اور اس بات کی تحقیق ہم نے العطایا النبویہ فی فتاویٰ الرضویہ کی کتاب النکاح میں اتنی تفصیل سے بیان کر دی ہے جس پر زیادتی کی گنجائش نہیں۔

چہارم......سب سے روشن و حق بات یہ ہے کہ یہ کراہت ۲۲ صرف کراہت تنزیہی ہے کراہت کے مطلق ذکر سے دھوکہ نہ کھایئے گا کیونکہ فقہا اکثر کراہت کو مطلق ذکر کرتے ہیں اور اس سے وہ معنی مراد لیتے ہیں جو کراہت تنزیہی اور تحریمی دونوں کو شامل ہوں نیز بعض اوقات مطلق کراہت کو ذکر فرما کر اس سے صرف کراہت تنزیہیہ مراد لیتے ہیں اور یہ بات فقہاء کرام کے نفیس کلمات کی خدمت میں زندگی بسر کرنے والے پر ہرگز پوشیدہ نہیں۔

نیز علماء کرام نے متعدد مقامات پر کراہت کے اس معنی کی تصریح فرمائی ہے رد المحتار میں باب الشہید سے کچھ پہلے فرمایا کہ امام طحطاوی کے علاوہ دیگر علماء نے قبروں پر پاؤں رکھنے اور بیٹھنے کے بارے میں جس کراہت کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد قضاء حاجت کے علاوہ دیگر صورتوں میں کراہت تنزیہیہ ہی ہے اور زیادہ سے زیادہ اس کراہت مطلقہ سے مراد وہ معنی ہو سکتا ہے جو کراہت تنزیہیہ اور تحریمیہ دونوں کو شامل ہو اور اس قسم کی باتیں علماء کے کلام میں بکثرت پائی جاتی ہیں نیز فقہا کا مکروہات نماز فرمانا بھی اس باب سے تعلق رکھتا ہے۔"انتہی" بلکہ در مختار کی فصل الاستنجاء میں مصنف کے قول "عورت کے لئے بچہ کو پیشاب کے لئے قبلہ کی طرف بٹھانا مکروہ ہے" کے نیچے یہ فرمایا کہ یہ کراہت تنزیہیہ اور تحریمیہ دونوں کو شامل ہے۔"انتہی"

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے مکروہات الوضوء میں فرمایا مطلق کراہت سے ہمیشہ تحریمی ہی مراد نہیں ہوتی۔"انتہی"

نیز اس سے پہلے جہاں مصنف نے یہ فرمایا کہ مکروہ محبوب کی ضد ہے اور مکروہ کا لفظ کبھی حرام پر بولا جاتا ہے کبھی مکروہ تحریمی (Abominable) پر اور کبھی مکروہ تنزیہی (Unpleasant) پر پھر مصنف نے بحرالرائق کے حوالے سے نقل کیا کہ اس باب میں مکروہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ (۱) مکروہ تحریمی (Abominable) عموماً کراہۃ مطلقہ سے یہی مراد ہوتا ہے۔ (۲) مکروہ تنزیہی (Unpleasant) اس کے لئے بھی اکثر کراہت کو مطلق ہی ذکر کیا جاتا ہے جیسا کہ منیہ کی شرح میں اس کی تصریح موجود ہے لہٰذا جب فقہاء کسی شے کو مکروہ فرمائیں تو اس کی دلیل پر نظر کرنا لازم ہے اگر وہ دلیل نہی (Prohibition) ظنی ہو تو کراہت تحریمہ کا حکم دیں گے مگر کسی دوسری دلیل کے باعث جو اس حکم کو پھیر دے اور اگر وہ دلیل نہی نہیں بلکہ غیر قطعی ترک چاہتی ہے تو وہ کراہت تنزیہی ہے۔ ''انتہی ملخصا''

میں کہتا ہوں کہ متون مثل تنویر وغیرہ کے اس قول ''غلام کی امامت مکروہ ہے'' کا تعلق کراہت کی دوسری قسم (تنزیہی) سے ہے کیونکہ درمختار میں اس کے تحت فرمایا یہ کراہت تنزیہی ہے جبکہ علامہ شامی نے ردالمحتار میں فرمایا کہ اس کے مکروہ تنزیہی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امام محمد نے مبسوط میں فرمایا انکے غیر کی امامت مجھے زیادہ پسند ہے یہ بات بحرالرائق میں مجتبیٰ اور معراج کے حوالے سے نقل ہے۔

یہ سب جان لینے کے بعد لازم ہے کہ دلیل تلاش کی جائے تا کہ واضح ہو کہ مالیت میں زیادتی سے مراد دونوں کراہتوں سے کونسی کراہت ہے۔ بحرالعلوم نے بحرالرائق میں افادہ فرمایا کہ ہم نے علماء کرام کو دیکھا وہ اس کراہت پر دو وجہ سے استدلال کرتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی کراہت تحریمی کا فائدہ نہیں دیتی ان کی انتہاء صرف کراہت تنزیہی ہے عنایہ میں فرمایا کہ اس کی کراہت یا تو اس وجہ سے ہے کہ یہ سود (Usury) کو دفع کرنے کا حیلہ ہے اس صورت میں یہ بیع عینہ (Credit Sale) کی طرح ہو جائیگی کیونکہ حیلہ کر کے زیادہ چیز وصول کی گئی یا پھر کراہت اس وجہ سے ہے کہ لوگ اس کے عادی (Habitual) ہو جائیں گے تو پھر نا جائز جگہ بھی اس پر عمل کرنے لگیں گے اس طرح انہوں نے خود تصریح فرمادی کہ جائز جگہ میں اس پر عمل کرنا جائز ہے اور کراہت فقط اس خوف کی وجہ سے ہے کہ لوگ نا جائز جگہ اس پر عمل کرنا نہ شروع کر دیں۔

جہاں تک پہلی وجہ کا تعلق ہے تو وہ تو بالکل واضح ہے کہ سود (Usury) کو ساقط کرنے کا حیلہ سود (Usury) سے بھاگنے کا ذریعہ ہے اور وہ منع نہیں بلکہ ممنوع تو سود (Usury) میں پڑنا ہے اور بے شک ہمارے علماء کرام رضی اللہ عنھم نے اس کے متعدد حیلہ بیان فرمائے ہیں کہ زیادہ چیز لیں مگر سود (Usury) نہ ہو۔ نیز امام فقیہ النفس قاضی خان نے تو اپنے فتاویٰ میں اس کے لئے ایک مستقل فصل واضح فرمائی اور فرمایا کہ یہ فصل سود (Usury) سے بچنے کے حیلوں بیان میں ہے۔

اس میں ایک حیلہ یہ بیان فرمایا کہ اگر کسی کے کسی شخص پر دس روپے قرض ہوں اور وہ اس قرض کو ایک معینہ مدت (Term) تک موخر کر کے دس کی جگہ تیرہ روپے وصول کرنا چاہے تو علماء فرماتے ہیں کہ اسے چاہئے کہ وہ مقروض سے کوئی چیز ان دس روپوں کے عوض خرید کر اس پر قبضہ کرے پھر یہی چیز اس مقروض کو ایک سال کی مدت کے لئے تیرہ روپے میں بیچ دے اس طرح یہ حرام سے بچ جائے گا اور اسے تیرہ روپے بھی حاصل ہو جائیں گے نیز اس طرح کا عمل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے ایسا کرنے کا حکم دیا۔ ''انتہی''

یہی حیلہ بحرالرائق میں بھی خلاصہ اور نوازل امام فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے موجود ہے۔

دوسرا حیلہ یہ بیان فرمایا کہ ایک شخص نے کسی سے دس روپے یہ کہہ کر قرض مانگے کہ میں ان کے عوض تمہیں بارہ روپے دونگا تو اسکا حیلہ یہ ہوگا کہ قرض لینے والا دینے والے کے سامنے کوئی سامان (Chattel) رکھ کر کہے کہ میں نے تجھے یہ سامان سو روپے کے عوض بیچا قرض دینے والا وہ سامان خرید کر قرض لینے والے کو اس کی قیمت ادا کر دے اور سامان پر قبضہ کرے پھر قرض لینے والا کہے یہ سامان مجھے ایک سو بیس روپے میں بیچ دو تو قرض دینے والا وہ سامان اسے فروخت کر دے تا کہ اسے سو روپے وصول ہو جائیں اور سامان قرض لینے والے کو واپس مل جائے اور قرض دینے والے کے لینے والے پر ایک سو بیس روپے لازم ہو جائیں نیز احتیاط اس صورت میں زیادہ ہے کہ معاملہ طے پا جانے کے بعد قرض لینے والا دینے والے سے کہے کہ ''ہمارے درمیان جو گفتگو ہوئی اور جو شرائط طے پائیں میں نے انہیں ترک کیا'' پھر سامان کی خرید و فروخت کریں۔ ''انتہی''

تیسرا حیلہ یہ ارشاد فرمایا کہ اگر وہ سامان بھی قرض دینے والے ہی کا ہو اور وہ دس روپے دے کر ایک معینہ مدت (Term) پر اس سے تیرہ روپے وصول کرنا چاہے تو قرض دینے والے کو چاہئے کہ وہ کوئی چیز قرض لینے والے کو تیرہ روپے میں بیچ دے اور وہ چیز اس کے قبضہ میں دے دے پھر قرض لینے والا وہ سامان کسی اجنبی کو دس روپے میں بیچ کر وہ چیز اس اجنبی کے قبضہ میں دیدے اور وہ اجنبی قرض دینے والے کو وہی چیز دس روپے میں بیچ دے اور اس سے دس روپے لے کر قرض لینے والے کو وہ دس روپے ادا کر دے اس طرح اجنبی پر جو قرض لینے والے کے دس روپے ادھار تھے وہ بھی ادا ہو جائیں گے اور وہ چیز بھی دس روپے میں قرض دینے والے کے پاس پہنچ جائے گی اور اس کے تیرہ روپے قرض لینے والے پر ایک معینہ مدت تک کے لئے قرض ہو جائیں گے۔ ''انتہی''

چوتھا حیلہ یہ بیان فرمایا کہ قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی چیز ایک معینہ مدت تک کے لئے تیرہ روپے میں فروخت کر کے وہ چیز اس کے قبضہ میں دیدے اور قرض لینے والا وہ چیز کسی اجنبی کو بیچ دے پھر قرض لینے والا اس اجنبی سے بیچ فسخ کر دے خواہ وہ چیز اجنبی کے قبضہ میں دی ہو یا نہیں اس

کے بعد قرض لینے والا دینے والے کو وہی چیز دس روپے میں بیچ کر دس روپے اس سے وصول کرے اس طرح قرض دینے والے کو تیرہ اور لینے والے کو دس روپے حاصل ہو جائیں گے اور متاع (Chattel) اصل مالک کے پاس پہنچ جائے گا اگر قرض دینے والے نے اپنی شے قیمت ادا کرنے سے پہلے جس قیمت میں بیچی تھی اس سے کم قیمت میں خرید لی مگر یہاں یہ جائز ہے کیونکہ بیچ میں دوسری بیع آ گئی جو قرض لینے والے اور اجنبی کے درمیان ہوئی تھی۔"انتہی"

اور اس میں ایک حیلہ یہ بیان فرمایا کہ قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی سامان ادھار بیچے اور وہ چیز اس کے قبضہ میں دیدے پھر قرض لینے والا اس سامان کو کسی دوسرے کے ہاتھ قیمت خرید سے کم قیمت کے عوض بیچ دے پھر وہ دوسرا شخص اس قرض دینے والے کو وہ سامان اسی قیمت میں بیچے جس میں اس نے خریدی تا کہ وہ متاع (Chattels) اس کو مل جائے اور اس سے قیمت لے کر قرض لینے والے کو دیدے تو قرض لینے والے کو قرض مل جائے گا اور دینے والے کو نفع حاصل ہو جائے گا۔"انتہی"

میرے خیال میں یہ وہی حیلہ ہے جس کا ذکر گزر چکا امام قاضی خان نے فرمایا کہ اسی حیلہ کا نام بیع عینہ (Credit Sale) ہے جسے امام محمد علیہ الرحمۃ نے ذکر فرمایا نیز مشائخ بلخ فرماتے ہیں کہ بیع عینہ (Credit Sale) ہمارے بازاروں میں رائج آج کل کی بیعوں سے بہتر ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیع عینہ (Credit Sale) کو جائز فرمایا ہے اور فرمایا کہ اس پر ثواب ملے گا ثواب کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اس میں حرام یعنی سود (Usury) سے بھاگنا ہے۔"انتہی"

پانچواں حیلہ یہ فرمایا کہ ایک شخص کے پاس دس کھرے چاندی کے روپے (Silver Coins) ہیں اور وہ یہ چاہتا ہے کہ ان کو بارہ کھوٹے روپوں کے عوض بیچے تو یہ جائز نہیں کیونکہ یہ سود (Usury) ہے پھر اگر وہ حیلہ کرنا چاہئے تو اسے چاہئے کہ خریدار سے بارہ کھوٹے روپے بطور قرض لے لے پھر دس کھرے روپے اسے ادا کردے پھر وہ خریدار اسے باقی دو روپے معاف کردے تو یہ حیلہ جائز ہے۔"انتہی"

چھٹا حیلہ یہ بیان فرمایا اگر کسی شخص پر دس کھوٹے روپے ایک معین دن (Term) تک کے لئے قرض تھے جب وہ معین دن (Term) آیا تو قرض خواہ شخص نو کھرے روپے لایا اور کہا کہ ان دس کھوٹے روپوں کے بدلے یہ نو کھرے روپے لے لو تو یہ صورت جائز نہیں کیونکہ اس میں سود (Usury) ہے لہٰذا اگر وہ حیلہ کرنا چاہئے تو نو کھوٹے روپوں کے بدلے نو کھرے روپے لے لے اور ایک روپیہ معاف کردے اس صورت میں مقروض کو اگر یہ اندیشہ ہو کہ قرض خواہ ایک روپیہ معاف نہیں کرے گا تو قرض خواہ کو نو کھرے روپے ادا کرے اور ایک پیسہ یا کوئی اور چھوٹی سی چیز اس باقی روپے کے عوض دیدے تو اب یہ صورت بھی جائز ہو جائے گی اور وہ اندیشہ بھی جاتا رہے گا۔"انتہی"

اس عبارت کے فوائد تجھ پر پوشیدہ نہیں رہیں گے کیونکہ آئندہ تقریر میں انشاء اللہ ہم ان کا تذکرہ کریں گے اور ہمارے لئے تو یہی دلیل کافی ہے کہ علماء کرام رحمہم اللہ نے وجہ اول میں اسے بیع عینہ (Credit Sale) سے تشبیہ دی اور فرمایا کہ وہ بھی اسی وجہ سے مکروہ ہے نیز بیع عینہ صرف مکروہ تنزیہی ہے لہٰذا اسی طرح یہ صورت بھی مکروہ تنزیہی ہو گی۔

اور امام محمد کا یہ ارشاد کہ وہ ان کے نزدیک پہاڑ سے زیادہ گراں ہے تجھے پریشانی میں نہ ڈالے کیونکہ انہوں نے اسی طرح کا بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت تر قول بیع عینہ کے بارے میں فرمایا ہے جبکہ وہ بھی صرف مکروہ تنزیہی (Unpleasant) ہے رد المحتار میں طحطاوی اور اس میں عالمگیری اور اس میں مختار الفتاوی اور اس میں امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ بیع عینہ (Credit Sale) جائز ہے اور اس کے کرنے والے کو ثواب ملے گا جبکہ امام محمد نے فرمایا کہ اس بیع کی برائی میرے نزدیک پہاڑوں کے برابر ہے کیونکہ اسے سود خوروں (Ausurers) نے ایجاد کیا ہے۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم بطور عینہ (Credit) خرید و فروخت کرو گے اور بیلوں کی دم کے پیچھے چلو گے تو ذلیل ہو جاؤ گے اور تمہارا دشمن تم پر غالب آ جائے گا۔ فتح القدیر میں فرمایا کہ بیع عینہ (Credit Sale) میں کوئی کراہت نہیں مگر یہ خلاف اولیٰ ہے کیونکہ اس میں قرض دینے کے اچھے سلوک سے روگردانی ہے۔"انتہی"

اسے بحر الرائق، نہر الفائق، درمختار اور شرنبلالیہ وغیرہا نے اسی طرح برقرار رکھا۔ نیز فتح القدیر میں ہے کہ امام ابو یوسف نے فرمایا یہ بیع مکروہ نہیں کیونکہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے کیا اور اس کی تعریف فرمائی اور اسے سود قرار نہ دیا۔"انتہی"

میرے خیال میں امام ابو یوسف کا یہ فرمان کہ "بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسے کیا" اصول فقہ کی اصطلاح (Terminology) میں حدیث مرسل ہے کیونکہ ہمارے نزدیک مرسل ہر اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند متصل نہ ہو اور اس کی اقسام میں فرق کرنا اور ان کے جدا جدا نام مرسل و مقطوع و معضل رکھنا فقط محدثین کی اصطلاح (Terminology) ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس میں کتنی صورتیں ہوتی ہیں جبکہ ان تمام صورتوں کا حکم ہمارے نزدیک ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ثقہ راوی اگر کوئی حدیث مرسل لائے تو وہ مقبول ہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب منیر العین فی تقبیل الابہامین میں اس کی تحقیق بیان کی ہے اور مسلم الثبوت وغیرہ میں اس کی تصریح فرمائی ہے اور تجھے امام ابو یوسف سے بڑھ کر کونسا ثقہ در کار ہے؟ لہٰذا جب اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اسے کرنا اور اس کی تعریف فرمانا ثابت ہے تو اس سے روگردانی نہیں کی جا سکتی کیونکہ ہمارے امام

رضی اللہ عنہ کا مذہب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید ہے اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں ان کی پیروی کا حکم دیا ہے۔

جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے کہ "جب تم بطور عینہ (Credit) خرید و فروخت کرو گے" تو اسے امام احمد و ابوداؤد و بزاز و ابویعلی و بیہقی نے نافع سے انہوں نے عبداللہ بن عمر و رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا امام ابن حجر نے فرمایا اس کی سند ضعیف ہے اور امام احمد کے یہاں اس کی ایک سند اور ہے جو کہ اس سند سے بہتر ہے۔ "انتہیٰ"

اور ابوداؤد کی سند میں عبدالرحمن خراسانی اسحاق بن اسید انصاری ہیں ابن ابی حاتم نے کہا وہ زیادہ مشہور نہیں اور ابو حاتم نے کہا کہ ان سے کام نہ رکھا جائے اور ذہبی نے کہا وہ جائز الحدیث ہیں پھر کتبوں میں انہیں دوبارہ ذکر کیا اور اس حدیث کو ان کی احادیث منکرہ میں شمار کیا اور تقریب میں فرمایا کہ ان میں ضعف ہے۔ "انتہیٰ"

بالجملہ یہ حدیث درجہ حسن سے نازل نہیں اور بے شک امام سیوطی نے جامع الصغیر میں اس کے حسن ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے اور یہ حدیث بہت سی سندوں سے آئی ہے جن کے لئے بیہقی نے اپنی سنن میں ایک فصل وضع کی اور ان کی علتیں (Causes) بیان کیں۔

میرے خیال میں فتح القدیر کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کو حجت ٹھہرایا ہے تو اس صورت میں تو یہ حدیث ضرور صحیح ہے کیونکہ مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال (Reasoning) کرے تو وہ استدلال اس حدیث کی صحت کا حکم ہوتا ہے جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اور ان کے علاوہ دیگر نے دوسری کتب میں اس قانون کا تذکرہ فرمایا ہے بہر حال اس حدیث میں بیع عینہ (Sale On Credit کی ممانعت پر کوئی دلالت نہیں کیا اس کے ساتھ حدیث کے یہ الفاظ نہیں کہ جب تم بیلوں کی دم پکڑو یعنی کھیتی کرو زراعت میں پڑو جیسا کہ فتح القدیر میں اس کی یہ تفسیر فرمائی اور فرمایا کیونکہ وہ اس وقت جہاد چھوڑ دیں گے اور ان کی طبیعت نامردی کی عادی (Habitua) ہو جائے گی۔ "انتہیٰ"

بلکہ وہ روایت ابوداؤد میں ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے کہ "جب تم بیلوں کی دمیں پکڑو اور کاشت کاری میں پڑ جاؤ اور جہاد چھوڑ دو" (الی اخر الحدیث) اور یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ کھیتی باڑی کرنا منع نہیں بلکہ جمہور علماء کے نزدیک جہاد کے بعد سب پیشوں سے افضل ہے اور بعض نے کہا کہ جہاد کے بعد تجارت پھر زراعت پھر حرفت افضل ہے جیسا کہ وجیز کردری میں ہے اس لئے جب عنایہ میں اس حدیث سے بیع عینہ (Sale On Credit) کی مذمت پر دلیل لائے تو علامہ سعدی آفندی نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں اگر یہ دلیل صحیح ہو جائے تو زراعت بھی مذموم ہو جائے گی۔ "انتہیٰ"

اور ہدایہ و تبیین و در مختار وغیرہا میں بیع عینہ (Sole On Credit) کے مکروہ ہونے کی فقط یہ دلیل مذکور ہے کہ اس میں قرض دینے کے نیک سلوک سے روگردانی ہے ہدایہ میں اتنا زیادہ فرمایا کہ بخل مذموم کی پیروی کر کے اور تجھے معلوم ہے کہ نیک سلوک سے روگردانی کرنا کراہت تحریمی کا سبب نہیں اسی لئے فتح القدیر میں فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ثمن (Estimated Cost) کا ایک حصہ تو وعدہ کے مقابل ہو گیا اور آدمی پر واجب نہیں ہمیشہ قرض دیا کرے بلکہ وہ ایک نیک کام ہے۔ "انتہیٰ"

اور عنایہ میں فرمایا کہ قرض دینے سے روگردانی کرنا مکروہ نہیں اسی طرح سے تجارت میں نفع کی طمع بھی مکروہ نہیں ورنہ نفع پر خرید و فروخت کرنا بھی مکروہ ہوتا۔ "انتہیٰ"

میں کہتا ہوں کہ تجارت تو اپنے رب کے فضل کو تلاش کرنے ہی کا نام ہے اور خریدتے وقت قیمت میں کمی کرانا سنت ہے نیز بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غبن کھانے میں نہ ناموری ہے اور نہ ہی ثواب یہ حدیث اصحاب سنن نے امام حسین اور طبرانی نے اپنی معجم میں امام حسن اور خطیب نے مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہم الکریم سے روایت کی لہٰذا بیع عینہ (Sale On Credit) زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہو سکتی ہے اس کی انتہا صرف کراہت تنزیہیہ ورنہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیع عینہ (Sale On Credit) کو کیا اور اس کی تعریف بھی فرمائی اور علامہ عبدالحلیم نے جو کہ علامہ شرنبلالی رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہم عصر ہیں حاشیہ درر میں لکھا کہ امام ابویوسف کی روایت کچھ اس طرح سے ہے کہ بیع عینہ (Sale On Credit) جائز اور ثواب کا کام ہے کیونکہ اس میں حرام سے بھاگنا ہے اور حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے اور بکثرت صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اسے کیا اور اس کی تعریف بھی فرمائی۔ "انتہیٰ" اور ان کی عبارت کے طرز کلام سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ جملہ "حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے" بھی امام ابویوسف ہی کا کلام ہے واللہ تعالیٰ اعلم اور یہ صورت مذکورہ کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی پہلی دلیل ہے۔

دوسری دلیل :

جمہور علماء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ جب قدر (Dimension) اور جنس (Species) میں سے کوئی ایک چیز نہ پائی جائے تو زیادتی

حلال ہوتی ہے اور یہ بات یقیناً ظاہر ہے کہ اشرفی اور چاندی کا روپیہ یا اشرفی اور پیسہ ہم جنس (Species) نہیں لہٰذا اس صورت میں زیادتی کا حلال ہونا لازم ہے تو کراہت تحریمی کہاں سے ہوگی۔

مقدار میں کمی بیشی کی چار صورتیں ہیں اور جنس مختلف ہو تو چاروں جائز ہیں :

تحقیق کے مطابق زیادتی کی چار صورتیں ہیں۔(۱)جس چیز کی مالیت زیادہ ہو اس کی مقدار (Quantity) بھی زیادہ ہو۔(۲)اس چیز کی مقدار تو کم ہو مگر مالیت اب بھی زیادہ بلکہ کئی گنا زیادہ ہو جیسے اشرفی (Gold Coin) کی مالیت روپے (Silver Coin) کے مقابلے میں۔(۳)اس چیز کی مقدار اتنی کم ہو کہ مالیت بھی دوسری چیز سے کم ہو جائے۔(۴)اس کی مقدار اتنی ہو کہ دونوں کی مالیت برابر ہو جائے۔ تو تمام علماء نے فقط جنس (Species) مختلف ہونے کی صورت میں کمی بیشی کے جواز کی تصریح فرمائی ہے اور اس جواز کو کسی خاص صورت کے ساتھ مقید (Limited) نہیں فرمایا لہٰذا یہ جواز چاروں صورتوں کو شامل ہوگا۔

اور اگر وہاں کراہت تحریمی ہوتی تو چاروں صورتوں میں صرف ایک یعنی چوتھی صورت حلال ہوتی پھر یہاں ایک صورت اور بھی ہے وہ یہ کہ دو جنسیں (Species) جب مقدار (Quantity) میں برابر ہوں تو ان کی مالیت بھی برابر ہو حالانکہ علماء نے کمی بیشی کے حلال ہونے کا حکم ارشاد فرمایا ہے اور وہ اس صورت میں مالیت کی کمی بیشی کو لازم کرتا ہے لہٰذا اس کا حلال ہونا واجب ہوا۔

تیسری دلیل :

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب جنس (Species) مختلف ہو تو جیسے چاہو خرید و فروخت کرو تو کون ہے جو اس صورت کو گناہ اور مکروہ تحریمی (Abominable) قرار دے گا حالانکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی اجازت عطا فرما چکے۔

چوتھی دلیل :

وہ عبارت ہے جو ہم فتاویٰ قاضی خان کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ روپے کے عوض ایک پیسہ دیدے تو یہ جائز ہے اور اس سے امان حاصل ہو جائے گی تو گناہ کے بعد کونسی امان ہوتی ہے؟

پانچویں دلیل :

مثلاً اشرفی اور چاندی کے روپے کے صرف مالیت ہی میں کمی بیشی ہے لہٰذا اگر اس سے کراہت تحریمی لازم ہوتی تو فقط اس بنا پر کہ دونوں عاقدین (Contractors) میں سے ایک نے مالیت اور نفع میں زائد چیز پائی لہٰذا اسے دوسرے پر زیادتی حاصل ہوئی تو پھر واجب ہوگا کہ کھرے اور کھوٹے کا وزن میں برابر ہونا بھی مکروہ تحریمی (Disagreeable) ہو جبکہ کھرے روپے کی قیمت کھوٹے سے اتنی زیادہ ہو کہ لوگ ایک دوسرے سے غبن نہ کھائیں جیسے کھرے کی مالیت کھوٹے سے دوگنا یا کئی گنا زیادہ ہو کیونکہ کراہت تحریمی کا وہ سبب یہاں بھی یقیناً پایا جا رہا ہے کیونکہ کسی شے کا حکم اپنے موجب سے جدا نہیں ہوتا کیونکہ شرع مطہر نے کھوٹے اور کھرے کے وزن میں برابری کا حکم دیا ہے اسی طرح سے وہ چیز جو صنعت کاری (Desining) کے سبب مالیت میں بڑھ جائے یہاں تک کہ اس کے ہم وزن پتری یا روپوں سے کئی گنا زیادہ ہو جائے تو اس میں وزن کا برابر ہونا اس کراہت تحریمی کا موجب ہوگا جو تم نے قرار دی ہے حالانکہ وزن میں برابر ہونا شرعاً واجب ہے لہٰذا اس صورت میں یہ بات سامنے آئے گی کہ شرع نے گناہ کو واجب کیا حالانکہ مکروہ تحریمی ممنوع ہے اور اس کا کرنا بحر الرائق و در مختار وغیرہما کی تصریح کے مطابق اگرچہ گناہ صغیرہ ہے مگر اس کی عادت ڈالنے سے گناہ کبیرہ ہو جائے گا اور بے شک شرع گناہ کا حکم دینے اور گناہ کو واجب کرنے سے بلند و بالا ہے بخلاف مکروہ تنزیہی کے کیونکہ وہ مباح اور یقیناً گناہ نہیں بلکہ بعض اوقات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام قصداً اس کے جواز کو ظاہر کرنے کے لئے اسے کرتے بھی ہیں اور انہی علامہ لکھنوی کا پاؤں حقے کے بارے میں لکھے گئے رسالہ میں پھسلا تو انہوں نے مکروہ تنزیہی کو گناہ صغیرہ اور اس پر اصرار کو گناہ کبیرہ ٹھہرا دیا اور یہ بالکل واضح غلطی ہے اور اس کا عیب میں نے اپنے ایک رسالہ میں تفصیل سے بیان کر دیا اور اس رسالے کا نام جمل مجلیۃ ان المکروہ تنزیھا لیس بمعصیۃ رکھا ہے۔

اور یہ عذر پیش کرنا کہ جنس (Species) ایک ہونے کی صورت میں شرع نے مالیت کے اعتبار کو ساقط کر دیا ہے انہیں کچھ نفع نہ دے گا کیونکہ یہی تو اصل بحث ہے کہ اگر شرع کی نظر میں مالیت کی زیادتی گناہ کا باعث تھی تو اس کا اعتبار کیوں ساقط فرما دیا حالانکہ اس میں خود مقصود شرع کو باطل کرنا تھا مقصود کیا ہے یہی تاکہ لوگوں کا مال بچایا جائے۔ اور مال کا دار و مدار مالیت ہی پر ہوتا ہے لہٰذا مالیت کا اور اعتبار ساقط کرنے سے سود خوروں

(Usurers) کو ان کے مقصود فاسد تک پہنچانا لازم آئے گا کیونکہ ان کی غرض تو صرف مالیت ہی سے متعلق ہے جب انہیں زیادہ مالیت حاصل ہوگئی تو وہ اپنی مراد کو پہنچے اور وزن کی کمی بیشی سے انہیں دلچسپی نہیں ہوتی لہٰذا ظاہر ہوا کہ جب مالیت میں زیادتی کی طرف شرع اصلاً نظر نہیں فرماتی تو ممکن نہیں کہ مالیت کی زیادتی کو مکروہ تحریمی قرار دے اور یہی تو ہمارا مقصود ہے۔

چھٹی دلیل :

تمام متون بالاتفاق اس تصریح سے لبریز ہیں کہ ایک پیسے کو دو پیسوں کے عوض بیچنا جائز ہے نیز بحرالرائق میں فرمایا کہ ان کی مراد خاص یہی نہیں کہ ایک پیسے کو دو پیسوں کے عوض بلکہ کمی بیش حلال ہونے کا بیان مقصود ہے یہاں تک کہ اگر ایک پیسے کو سو پیسوں کے عوض بھی بیچا جائے تو امام اعظم اور امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک حلال ہے۔اور تمہیں مالیت میں کمی بیشی کے جواز پر اس سے بڑی کونسی دلیل درکار ہے۔ والحمدللہ ''انتہی''

ساتویں دلیل :

مذکورہ بیع عینہ (Sale On Credit) کہ جس کی بنیاد ہی مالیت میں کمی بیشی پر ہے اس میں یہ قید نہیں کہ دس روپوں کے عوض بارہ یا تیرہ روپے وصول کریں جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے یا پندرہ روپے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے بلکہ اس بیع میں دو چار گنا چیز وصول کرنے کی صورت بھی بیان کی گئی ہے فتح القدیر میں ہے کہ عینہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کوئی شخص مثلاً زید اپنا متاع (Chattels) قرض خواہ مثلاً بکر کے ہاتھ ایک مدت معینہ کر تک کے لئے (Term) دو ہزار کے عوض بیچے پھر کسی دوسرے شخص مثلاً عمرو کو قرض خواہ بکر کی طرف بھیجے اور وہ عمرو اس قرض خواہ سے اپنے لئے اس متاع (Chattels) کو ایک ہزار روپے نقد کے عوض خرید کر قبضہ کر لے اور وہ دوسرا شخص عمرو پہلے شخص زید کو یہ متاع (Chattels) ایک ہزار کے عوض بیچ دے پھر وہ درمیانہ شخص عمرو اپنے بائع قرض خواہ بکر کا ثمن (Estimated Cost) جو کہ ہزار روپے نقد ہیں پہلے بائع زید پر اتار دے تو یہ پہلا بائع زید ہزار روپے قرض خواہ بکر کو دیدے اور مدت معینہ پوری ہونے پر دو ہزار اس سے وصول کرے ''انتہی''

تو جب دگنا منافع جائز ہوا تو کئی گنا بھی جائز ہے میرے خیال میں اس دوسرے شخص کا ہونا ضروری نہیں بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرض خواہ کو ہزار روپے والی چیز دو ہزار کے عوض بیچے اور قرض خواہ اسے بازار میں ہزار روپے میں بیچ دے تاکہ وہ متاع (Chattels) قرض دینے والے کی طرف نہ لوٹے کیونکہ بذات خود وہی متاع (Chattels) لوٹنے کی صورت صاحب فتح القدیر کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے اگرچہ اس میں کلام کی گنجائش ہے کیونکہ اپنی بیچی ہوئی چیز کو قیمت فروخت سے کم میں خریدنا بالاجماع جائز ہے تیسرا شخص متوسط ہے اور علماء نے اس اپنی بیچی ہوئی چیز کو قیمت فروخت سے کم میں خریدنے کی صورت کو گناہ قرار نہیں دیا اور امام فقیہ النفس قاضی خان کے حوالے سے یہ بات اوپر گزر چکی ہے اور اگر گناہ باقی رہا تو حیلہ کہاں پورا ہوا۔تحقیق علامہ عبدالحلیم نے حرام سے بچنے کے حیلوں میں درر کے حواشی میں فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ اس میں کراہت تنزیہی ہے چاہے دیا گیا متاع (Chattels) بعینہ دینے والے کی طرف لوٹے یا اس کا کچھ حصہ لوٹے یا بالکل نہ لوٹے۔

آٹھویں دلیل :

وصی اگر یتیم کا مال خود خریدنا یا اپنا مال اس کے ہاتھ بیچنا چاہے تو اس کے جواز کے لئے علماء نے یہ شرط فرمائی ہے کہ اس خرید و فروخت میں یتیم کو نفع ہو اور اس نفع کی مقدار (Quantity) غیر منقولہ جائیداد میں دوگنا اور منقولہ میں ڈیڑھ گنا مقرر فرمائی ہے جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے اور اگر وہی یتیم کا مال کسی دوسرے کو بیچنا چاہئے اور نابالغ کو اس کی قیمت کی ضرورت نہ ہو اور نہ مورث پر کوئی ایسا دین ہو کہ اسے بیچے بغیر ادا نہ کیا جا سکے گا تو اس صورت میں اس بیع کے جواز علماء اکرام نے یتیم کے مال کو دگنی قیمت پر بیچنا شرط قرار دیا ہے ہندیہ میں محیط سرخسی کے حوالے سے نقل ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے لہٰذا مالیت کی اس کمی بیشی کا خود شرع مطہر کی طرف سے حکم ہے۔

نویں دلیل :

وہ قول ہے جو فتح القدیر وغیرہ قابل اعتماد کتب کے حوالے سے گزرا کہ اگر کاغذ کا ایک ٹکڑا ایک ہزار روپے کے عوض بیچے تو یہ خرید و فروخت جائز ہے اور بالکل مکروہ نہیں ہے۔

دسویں دلیل :

ردالمحتار کے باب الربا میں ذخیرہ کے حوالے سے ہے کہ اگر کوئی نانبائی کو گیہوں اکھٹے دیدے اور روٹی تھوڑی تھوڑی کر کے لے تو نہیں چاہئے کہ گیہوں

والا نانبائی کے ہاتھ انگوٹھی یا چاقو مثلاً ہزار من روٹی کے عوض بیچے" الخ" بھلا کہاں چاقو اور کہاں ہزار من روٹی اور اسی طرح کے بے شمار نظائر ہم بیان کرنا شروع کردیں تو احاطہ نہ کرسکیں گے اور یہ جو ہم چھٹی دلیل سے دسویں دلیل تک اتر آئے اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء نے جو یہ فرمایا تھا کہ جس جانب وزن کی کمی ہے اس میں کوئی اور چیز ملادی جائے تو یہ بات ان کے کلام میں مطلق ہے خواہ وہ چیز ثمن (Money) ہو یا متاع (Chattels) اور اموال ربا (Usury Property) سے ہو یا غیر ربا سے۔ یہ اس مسئلہ کے تحقیق کی انتہاء ہے۔

جہاں تک فاضل عبدالحلیم کے کلام کا تعلق ہے تو میں اس کا پہلا جواب یہ دوں گا۔

پہلا جواب :

حصول احتیاط کے لئے کسی چیز کا ثابت ہونا فی نفسہ اس کا وجوب نہیں اور بے شک فساد (Incorrectness) کے خوف سے ایسی چیز کو چھوڑنا جس میں خرابی نہ ہو احتیاط ہی ہے اور یہ اسی طرح حاصل ہوگی جیسے انہوں نے فرمایا لہٰذا یہ وجوب احتیاط کے واجبات سے ہوا کیونکہ کسی شے کا واجب وہی ہوتا ہے جس کے بغیر وہ شے حاصل نہ ہوسکے۔

دوسرا جواب :

اکثر عرف میں مستحب کو بھی واجب کہتے ہیں اور در مختار کا یہ قول کہ "نماز عید کے بعد تکبیر کہنے میں کوئی حرج نہیں" بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ یہ طریقہ مسلمانوں میں سلف سے چلا آرہا ہے لہٰذا ان کی پیروی واجب ہے" اور علامہ شامی نے دوسری جگہ اسکی یہ نظیر بیان فرمائی کہ عرف میں یہ کہتے ہیں کہ تیرا حق مجھ پر واجب ہے نیز فتح القدیر کی کتاب ادب القاضی میں ہدایہ کے اس قول "قاضی جنازہ پر حاضر ہو اور بیمار کی عیادت کو جائے" کے نیچے امام بخاری کی کتاب ادب المفرد کی یہ حدیث حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ذکر فرمائی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بے شک مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق واجب ہیں اگر ان میں سے کوئی چیز چھوڑے تو اپنے بھائی کا ایک حق چھوڑے گا جو کہ اسکا حق اس پر واجب تھا (۱) وقت ملاقات اسے سلام کرے' (۲) وہ دعوت کرے تو یہ اسے قبول کرے یا وہ اسے پکارے تو اس کی پکار کا جواب دے' (۳) جب اسے چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے تو یہ اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے' (۴) بیمار پڑے تو اس کی عیادت کو جائے' (۵) اس کی موت پر حاضر ہو' (۶) اگر وہ اس سے نصیحت چاہے تو اسے نصیحت کرے پھر محقق صاحب نے فرمایا کہ اس حدیث میں وجوب کو ایسے معنی پر محمول کیا جائے گا جو وجوب کے فقہی معنی سے عام ہو کیونکہ حدیث کے ظاہر معنی تو یہ ہیں کہ ملاقات کی ابتداء میں سلام کرنا واجب ہے اور نماز جنازہ فرض عین ہے مگر حدیث کی مراد یہ ہے کہ یہ حقوق مسلمان پر ثابت ہیں خواہ مستحب ہوں یا واجب فقہی۔ "انتہی"

نیز علامہ عبدالحلیم کی عبارت میں وجوب کے یہ معنی لینا ہمارے قائم کردہ دلائل کے سبب ضروری ہیں اور اگر آپ اسے ظاہر پر ہی محمول مانیں تو سن لیں کہ یہ شیخ عبدالحلیم کی اپنی ایک سمجھ ہے جس پر انہوں نے کوئی نقلی سند (Support) پیش نہیں کی اور ان کی فہم شرع میں حجت نہیں خصوصاً جبکہ ان کے موقف کے خلاف دلائل قائم ہوں۔

تیسرا جواب:

اگر ان کی عبارت کو اس معنی پر محمول نہ کیا جائے تو انکا کلام خود اپنا ہی مناقض ہوگا کیونکہ انہوں نے اس کلام کے ایک ورق بعد سلطنت عثمانیہ کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہ پرانے چاندی کے روپے جن میں کھوٹ ہو اور چاندی غالب ہو انہیں نئے کھرے روپوں سے بدلتے ہیں اور ان نئے روپوں کے چلن کے بعد پرانے روپوں سے لین دین کرنا منع کردیا جاتا ہے اور ان پرانے روپوں کا کھوٹا پن اس قدر ہے کہ ایک بڑا روپیہ جسے رومی قرش کہتے ہیں ان پرانے کے ایک سوبیس روپوں کے برابر ہوتا ہے اور ایک اشرفی دوسو چالیس روپوں کے برابر ہوتی ہے جب نئے روپے چل جاتے ہیں تو قرش کی قیمت ان نئے روپوں کے اسی (۸۰) روپے رہ جاتی ہے اور اشرفی ایک سوبیس کی تو لوگوں کا وہ لین دین جو پرانے روپوں کے زمانے میں ہوا تھا اس میں بڑا جھگڑا پڑ جاتا ہے تو علماء محروسہ قسطنطنیہ میں سے ہمارے اگلے سرداروں نے یہ فتویٰ دیا کہ تہائی قرض اتار دیں لہٰذا ایک سوبیس پرانے روپوں کے قرض کی جگہ قرض خواہ کو نئے اسی روپے یا ایک قرش دیدے اور دوسو چالیس پرانے روپوں کے عوض ایک اشرفی یا دو قرش ادا کردے لہٰذا اسی فتویٰ پر عمل ہوتا رہا یہاں تک کہ ہمارے استاذ مرحوم اسعد بن سعد الدین کے افتاء (فتویٰ دینے) کا وقت آیا تو انہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ زمانہ عقد (Contract) میں پرانے روپوں کی جو قیمت تھی اتنی قیمت کی اشرفیاں دی جائیں مثلاً ہر دوسو چالیس روپے کے بدلے ایک اشرفی دی جائے اور نیا روپیہ یا قرش دینا جائز قرار نہ دیا اور تصریح فرمائی کہ اگلے مسئلہ میں یا تو حقیقۃً سود (Usury) ہے یا اس کا شبہ ہے۔

پھر شیخ عبدالحلیم نے کہا کہ پہلے علماء نے جو فتویٰ دیا وہ بھی صحیح ہے اور اس میں آسانی بھی ہے اور ادائے دین کے دائرے میں وسعت

(Capacity) بھی اوراس کے صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پرانے روپوں کا چلن کسی فرق(Diffcrence) کے بغیر بالکل اشرفی اور قرش کی طرح تھا لہٰذا ثابت ہوا کہ مدیون پر دین بھی اس تفصیل سے ٹھہرے گا اور دین کا حاصل یہ ہوگا کہ اتنی مقدار(Quantity) کا مال لازم ہے خواہ کسی بھی نوع سے ہو خواہ پرانے روپے ہوں یا اشرفی یا پھر قرش جیسا کہ علماء کرام رحمہم اللہ نے مختلف سکوں کے چلن میں برابر ہونے کی صورت میں اس حکم کی تصریح فرمائی ہے لہٰذا جب پرانے روپو(Silver Coins) کا چلن بند کردیا گیا اور نئے روپے چلنے لگے اور قرش و اشرفی کی مالیت جیسا کہ اوپر بیان ہوئی کم ہوگئی تو دین بھی اتنا ہی اتر جائے گا اور اس میں فتویٰ میں ادائے قرض کے دائرے میں وسعت(Capacity) اور پوری آسانی ہے کیونکہ قرض خواہ جس نوع(Species) سے ادائیگی قرض پر قدرت رکھے گا اسی سے قرض ادا کردے گا بخلاف دوسرے فتویٰ کے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ قرض خواہ کے پاس اشرفی(Gold Coin) نہ ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قرض اشرفی(Gold Coin) کی مالیت سے کم ہو لہٰذا ادائیگی قرض میں دشواری ہوگی حالانکہ جو ثمن(Currency) زمانہ عقد(Contract) میں رائج تھے وہ پرانے روپے کے علاوہ بدستور رائج ہیں نہ ان کا چلن گھٹا اور نہ ہی بند ہوا مگر یہ ضرور ہوا کہ نئے روپوں کے سبب ان کی مالیت کم ہوگئی لہٰذا قرض خواہ کو کیونکر مجبور کیا جائے کہ خاص اشرفی ہی سے اپنا قرض ادا کرے لہٰذا ظاہر ہوا کہ پہلا فتویٰ صحیح اور آسان ہے اور اس میں کوئی دشواری نہیں۔

ہاں اگر یہ مان لیا جائے کہ نئے روپے یا قرش سے قرض ادا کرنیکی صورت میں حقیقتہً یا حکماً سو(Usury) ہے کیونکہ دونوں کا وزن برابر نہیں یا برابری کا علم نہیں تو اسے اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ نئے روپے یا قرش کے ساتھ مثلاً ایک پیسہ ملا کردیا جائے اور اس کا جواز کسی پر مخفی نہیں۔" انتہی ملخصا"

یہ مسئلہ درمختار وغیرہ میں مذکور ہے اور صاحب درمختار نے سعدی آفندی ہی کے فتویٰ کو اختیار فرمایا کہ قرض خواہ کو اشرفی ہی سے قرض ادا کرنا واجب ہے اور علامہ شامی شیخ عبدالحلیم کی رائے کی طرف مائل ہوئے۔ اور اس کا حاصل کلام یہ ہے کہ اول تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ قرض خواہ کے ذمے خاص پرانے روپے ہی دینا واجب تھے تاکہ نئے پرانے یا قرش سے ادا کرنے کی صورت میں سو(Usury) ٹھہرے جبکہ وہ پرانے روپوں سے وزن میں برابر نہ ہوں بلکہ اتنی مالیت لازم تھی جس کا اندازہ ان تین قسم کے سکوں میں سے جس سے چاہے کرلے لہٰذا جب ان میں سے ایک کا چلن جاتا رہا تو باقی دو میں سے جس سے چاہے ادا کردے میں کہتا ہوں کہ یہیں سے ظاہر ہوا کہ ان کا یہ فرمان کہ تہائی قرض ادا کردیا جائے مسامحہ (لغزش) ہے اور انہوں نے روپوں کی گنتی میں ہونے والے ظاہری تغیر پر نظر فرما کر یہ کہہ دیا کہ "ایک سو بیس کی جگہ نئے اسی روپے ادا کرے گا" ورنہ مالیت میں تو اصلا تغیر نہیں ہوا تھا دوسرا یہ کہ اگر قرض خواہ کے ذمہ خاص پرانے روپے لازم ہونا مان لئے جائیں تو سو(Usury) اس طرح دور ہوسکتا ہے کہ قرض خواہ نئے روپوں یا قرش کے ساتھ مثلاً ایک پیسہ ملا کر دیدے نیز فاضل عبدالحلیم نے لوگوں کو یہی فتویٰ دیا اور اسے بلا دشواری کے پوری آسانی بتایا اور کراہت تحریمی کے بعد کونسی آسانی ہے۔

لہٰذا جو معنی ہم نے بیان کئے ان کے سوا کوئی چارہ نہیں اور بے شک توفیق تو اللہ ہی کی طرف سے ہے الغرض یہ شبہات قابل ذکر تو نہ تھے مگر چونکہ ان کے جوابات سے چمکتے ہو فائدے ظاہر ہوئے اس لئے ذکر کردیئے۔

الحمدللہ اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ دس کا نوٹ بارہ روپے کے عوض بیچنا تو درکنار ایک اشرفی ایک روپے(Gold Coin) کے عوض بلکہ ایک پیسے کے عوض بیچنے میں سود تو سود اس کا شبہ بھی نہیں بخلاف لکھنؤی صاحب کے گمان کے کیونکہ حرام چیزوں میں شبہ بھی یقین کے حکم میں ہوتا ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں منصوص ہے لہٰذا اگر یہاں شبہ ہوتا تو حرمت واجب ہوجاتی چہ جائیکہ کراہت تحریمی نیز ہم اس بات پر دلائل قائم کرچکے ہیں کہ یہاں حرمت تو دور کی بات ہے کراہت تحریمی بھی نہیں ہے۔ لہٰذا ظاہر ہوا کہ یہاں نہ سو(Usury) ہے اور نہ ہی سو(Usury) کا شبہ لیجئے اور سنیئے منع کرنے والے کی سب سے بڑی دلیل تو یہی ہے کہ نوٹ روپوں میں غرق(Drowned) ۲۳ ہونے کی وجہ سے گویا روپیہ ہی ہے اور اس میں اور روپے میں کچھ فرق نہیں اسی لئے لوگ چاندی کے روپے اور نوٹ کے لین دین میں کچھ فرق نہیں کرتے تو دس کے نوٹ کو بارہ روپے کے عوض بیچنے سے گویا یوں ہوا کہ دس روپے بارہ روپوں کے عوض بیچے گئے اور یہ بے شک سو(Usury) ہے لہٰذا اگر دس کا نوٹ بارہ کے عوض بیچنا سود(Usury) نہ بھی ہو تو سود کی مشابہت کے سبب سو(Usury) سے لاحق ہو کر حرام ہوجائے گا۔

میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق سے یہ کہتا ہوں کہ یہ شبہ تو اور بھی بھونڈا ہے مگر اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ کمان ہی انجان کے ہاتھ میں ہے ہر وہ شخص جو بچپن کی دہلیز پار کرچکا ہو جانتا ہے کہ اصطلاحی ثمن(Currency) کی مالیت کی مقدار (Quantity) کا اندازہ ثمن خلقی(Real Money) ہی سے کیا جاتا ہے بلکہ ہر قسم کی نقدی(Money) کے لئے روپوں ہی سے اندازہ کیا جاتا ہے خواہ وہ اشرفیاں ہوں یا کچھ اور ہو اور انہیں روپوں سے کچھ نہ کچھ نسبت ضرور ہوتی ہے جیسے دو آنے روپے کا آٹھواں حصہ۔ چونی چوتھائی اور اٹھنی دوسرا نیز ایک روپے میں سولہ آنے ہوتے ہیں اور فلاں نوٹ دس روپے کا تو فلاں سو روپے کا اسی پر قیاس(Analogy) کرتے جائیں اور جب ان کی مالیت اور چلن یکساں ہو تو اہل عرف ان کے لین دین میں کوئی فرق نہیں کرتے لہٰذا جو کپڑا ایک انگریزی پونڈ کے بدلے بیچے تو اسے کوئی تبدیلی کہے گا اور نہ ہی قرارداد کا پھیرنا اور

اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرے گا اسی طرح سے دو آنے اور آٹھ انگریزی پیسے یا تین دو آنیاں اور آٹھ پیسے یا ایک چونی اور سولہ پیسے یا ایک دو آنی اور چوبیس پیسے یا سب کے بتیس پیسے یہ نو کی نو صورتیں سب کے نزدیک برابر ہیں اور اب ایک نئی ریزگاری چلی ہے جسے اکنی کہتے ہیں لہٰذا یہ قیمت چھتیس طریقوں سے ادا کی جاسکتی ہے۔

اور مالیت اور چلن کے یکساں ہونے کی وجہ سے اس میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا اور یہ صرف عرف ہی میں نہیں بلکہ شریعت نے بھی خریدار کو اس بات کا اختیار دیا ہے کہ ان میں سے جس صورت سے چاہئے ثمن (Estimated Cost) ادا کرے اور اگر بائع ان میں سے کسی ایک صورت پر راضی نہ ہو اور دوسری صورت مشتری پر لازم کرنا چاہئے تو یہ اس کی بے جا ہٹ دھرمی ہوگی جو نہ قابل تسلیم ہے تنویر الابصار کے اس قول ''مطلق ثمن (Currency) سے شہر میں سب سے زیادہ چلنے والا سکہ مراد ہوتا ہے اور اگر سکے مالیت میں مختلف ہوں اور چلن ایک سا ہو تو عقد فاسد ہو جائے گا'' کے تحت علامہ شامی نے فرمایا لیکن اگر چلن برابر نہ ہو، مالیت چاہئے مختلف ہو یا نہیں، تو عقد (Contract) صحیح ہے اور جس کا چلن زیادہ ہے وہی مراد ٹھہرے گا اسی طرح اگر مالیت اور چلن دونوں برابر ہوں تو پھر بھی عقد (Contract) صحیح ہے مگر اس صورت میں خریدار کو اختیار ہوگا کہ دونوں قسم کے ثمن (Currency) سے جس سے چاہئے ادا کرے نیز ہدایہ میں چلن اور مالیت یکساں ہونے کی مثال ثنائی اور ثلاثی سے دی اور ہدایہ کے شارحین نے اس پر اعتراض کیا کہ تین کی مالیت دو سے زیادہ ہے تو بحر الرائق میں اس کا جواب دیا گیا کہ ثنائی سے مراد وہ ہے جس کے دو سکے ایک روپے کے برابر ہوں اور ثلاثی سے مراد جس کے تین سکے ایک روپے کے برابر ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ جب اس نے کوئی چیز ایک روپے کے بدلے خریدی تو چاہیے ایک روپیہ پورا ادا کرے، چاہئے دو اٹھنیاں، چاہئے تین تہائیاں جبکہ سب مالیت اور چلن میں برابر ہوں اسی طرح ہمارے زمانے میں اشرفی کی مالیت کا ثمن تین طرح سے ادا کیا جاسکتا ہے (۱) پوری اشرفی، (۲) دو نصف اشرفیاں، (۳) اشرفی کی چار چوتھائی یعنی پاؤلیاں نیز ان سب کی مالیت اور چلن بھی برابر ہے اس تقریر سے ہمارے زمانے میں قرش کے عوض خرید وفروخت کے رواج کا حکم واضح ہو گیا کیونکہ قرش اصل میں چاندی کا ایک سکہ ہے جس کی قیمت چالیس مصری قطعے ہوتی ہے اسے مصر میں نصف کہتے ہیں وہاں ہر قسم کے سکوں کی قیمت قرشوں ہی سے لگائی جاتی ہے لہٰذا کوئی سکہ دس قرش کا کوئی کم اور کوئی اس سے زیادہ کا ہوتا ہے لہٰذا جب کوئی چیز سو قرش کے عوض خریدی جائے تو مشتری کو اختیار ہے کہ وہ جو سکہ چاہئے دے خواہ قرش ہی دے یا دوسرے سکے جن کی مالیت سو قرشوں کے برابر ہو ادا کردے جیسے ریال یا اشرفی وغیرھا اور کوئی بھی یہ نہیں سمجھتا کہ بیع خاص ان سکوں پر واقع ہوئی جنہیں قرش کہتے ہیں بلکہ قرش یا دوسرے سکے جو مالیت میں مختلف ہوں اور چلن میں برابر ہوں ان میں سے اتنے سکے ادا کردیئے جائیں کہ سو قرشوں کی مالیت کے برابر ہو جائے کافی ہے نیز یہاں یہ اعتراض ہرگز وارد نہیں ہوگا کہ مالیت میں اختلاف اور چلن میں برابری ہی تو فساد (Incorrectness) کا سبب ہے کیونکہ یہاں قرشوں سے اندازہ کرنے کی صورت میں ثمن (Estimated Cost) کی مالیت میں اختلاف تو واقع نہ ہوا البتہ اگر قرشوں سے اندازہ نہ کرتے تو اختلاف واقع ہوتا ہے جیسے کہ اگر کسی جگہ کئی قسم کی اشرفیاں (Gold Coins) ہوں جو چلن میں یکساں اور مالیت میں مختلف ہوں اور کوئی شخص سو اشرفیوں کے عوض خرید وفروخت کرے تو اس صورت میں مالیت میں اختلاف واقع ہوسکتا ہے مگر جب قرشوں سے مالیت کا اندازہ کرلیا تو گویا مالیت اور چلن سب یکساں ہوگئے اور اوپر گزر چکا ہے کہ مشتری کو اختیار ہے کہ ان میں سے جس کے ذریعے چاہئے ثمن (Estimated Cost) ادا کرے، بحر الرائق میں فرمایا کہ اگر بائع اگر کوئی خاص قسم کا سکہ طلب کرے تو مشتری کو اختیار ہے کہ دوسری قسم کا سکہ ادا کرے کیونکہ مالیت میں اختلاف نہ ہونے کی وجہ سے مشتری کے ادا کردہ سکے کو لینے سے انکار بائع کی بیجا ہٹ ہے۔'' انتہی''

برابری اور عدم فرق کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ خریداری تو قرشوں سے کی جائے اور پھر خریدار کو اختیار دیا جائے کہ چاہئے تو ادائیگی قرشوں سے کرے یا ریال سے خواہ پوری اشرفی ادا کرے یا اس کی ریزگاری اور اگر بائع نہ مانے تو اس کے بے جا ہٹ ٹھہرے اس کے باوجود کوئی عقلمند یہ وہم نہیں کرسکتا کہ قرش، ریال، اشرفی اور ریزگاری سب ہم جنس (Species) ہیں اور ان کی آپس میں بیع کی صورت میں کمی بیشی ناجائز ہے یا ان میں سے ہر ایک سکہ دوسرے میں اس طرح غرق (Drowned) ہے کہ بعینہٖ دونوں ایک ہی ہیں لہٰذا اگر کمی بیشی سود (Usury) نہ بھی ہو تو سود (Usury) سے مشابہت کے سبب سود (Usury) کے حکم میں ہو کر حرام ہو جائے گی حالانکہ جمہور علماء کرام نے بالاجماع تصریح فرمائی ہے کہ جنس (Species) مختلف ہونے کی صورت میں کمی بیشی جائز ہے بلکہ خود سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان اقدس ہے کہ جب جنسیں بدل جائیں تو جیسے چاہو بیچو۔ نیز ہم اس مسئلہ کی تحقیق کہ ''ایک روپے کو ایک اشرفی کے عوض بیچنے میں نہ سود ہے نہ سود کا شبہ'' اس انداز میں بیان کرچکے جس پر مزید زیادتی کی گنجائش نہیں۔ لہٰذا جب قرشوں، ریال، اشرفی اور ریزگاری میں یہ حکم ہے حالانکہ یہ سب ثمن خلقی ہیں اور ان سب میں سود (Usury) کی دو علتوں (Causes) میں سے ایک علت (Cause) یعنی وزن موجود ہے تو پھر روپوں کے عوض نوٹ کی خرید وفروخت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے حالانکہ نوٹ تو صرف ثمن اصطلاحی (Currency) ہے اور اس کی مالیت کا اندازہ ایک ایسی اصطلاح (Terminology) ہے جس کی پابندی بائع ومشتری پر لازم نہیں اور اس میں ربا کی دونوں علتوں (Causes) میں سے کوئی بھی نہیں پائی

جاتی نہ جنس (Species) نہ ہی قدر (Dimension) لہٰذا یہاں عدم جواز کا حکم تین قسم کے لوگ ہی لگا سکتے ہیں۔ (۱) جن پر قلم شرع اٹھالیا گیا ہو (۲) بچہ (۳) سونے والا اور دیوانہ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی اور پناہ مانگتے ہیں۔ اس مسئلہ میں یہی تحقیق لاجواب ہے اور مجھے امید ہے کہ دولہا کے بعد عطر نہ ہوگا۔

مگر اے شخص! اگر تم اپنی اس بات کہ نوٹ روپوں میں ایسا غرق (Drowned) ہے کہ گویا وہ بعینہ روپیہ ہے کے علاوہ اور کوئی بات تسلیم نہ کرو تو میں تم سے یہ پوچھنا چاہوں گا کہ نوٹ کے روپوں میں غرق (Drowned) ہونے اور عدم فرق کے سبب آیا نوٹ حقیقۃً چاندی کا روپیہ ہو گیا یا حکما۔ حکما سے مراد یہ ہے کہ شرع نے روپوں کے عوض نوٹ کی بیع میں وہی حکم جاری فرمایا جو روپوں کو روپوں کے عوض بیچنے میں ہے جیسا کہ تم نے کہا تھا کہ گویا دس روپے (Silver Coins) ہیں جنہیں بارہ روپے (Silver Coins) کے عوض بیچا گیا ہے یا پھر نوٹ حقیقۃً و حکما کسی طرح بھی روپوں کے حکم میں نہیں اس صورت میں تمہاری گزشتہ لفاظی کے کیا معنی ہیں اور پہلی دو صورتوں میں جب تم دس کا نوٹ دس کے عوض بیچو گے تو سود خود تم پر پلٹے گا کیونکہ روپوں کی روپوں سے بیع کی صورت میں دونوں کی مالیت کا برابر ہونے کا حکم نہیں بلکہ امت کا اس بات پر اجماع کہ اس مسئلہ میں کھرا اور کھوٹا دونوں برابر ہیں بلکہ صرف وزن میں برابری کا حکم تھا لہٰذا تم پر واجب ہے کہ تم ایک پلڑے میں نوٹ اور دوسرے میں چاندی یا ریزگاری رکھو اور نوٹ کو اسی قیمت میں بیچو جتنی اس چاندی کی قیمت ہے اور یہ دوانی بھر یا چوانی بھر سے زائد نہ ہوگی اور اگر تم اس سے زیادہ لو گے تو گویا تم نے سود (Usury) کھایا اور سود (Usury) کو حلال کیا اور اگر تم یہ گمان کرو کہ اس غرق ہونے اور عدم فرق کے سبب روپوں سے جو حکم نوٹ کی طرف آیا وہ یہ ہے کہ مبیع و ثمن کو مالیت میں برابر کرلیا جائے تو یہ تمہاری بڑی نادانی ہے جو مسخرے پن کی طرح ہے اور اس کے دبلے پن سے لچک پچک ہو رہا ہے کیونکہ خود روپوں میں بھی مالیت کی برابری کا حکم نہیں لہٰذا جو حکم خود روپوں میں نہیں تو انکے مشابہ نوٹ میں وہ حکم کیونکر سرایت کرے گا اس کے علاوہ اگر نوٹ روپوں کے ساتھ حقیقۃً یا حکما متحد ہو بھی جائے تو پھر بھی سونے کے ساتھ ہرگز متحد نہ ہوگا کیونکہ دو متباین (مختلف، متضاد) نوعین متحد نہیں ہوسکتیں لہٰذا اس صورت میں اگر دس روپے کا نوٹ بارہ اشرفیوں کے عوض بیچا جائے تو وہ حرج جو بارہ روپے کے عوض بیچنے میں تھا لازم نہیں آئے گا کیونکہ یہاں نہ حقیقۃً ایک جنس (Species) ہے نہ حکما لہٰذا اب تیسرے فتویٰ کا حاصل یہ ہوگا کہ دس روپے کا نوٹ بارہ روپے کے عوض بیچنا تو حرام ہے کیونکہ اس نے بلا معاوضہ دو روپے زائد وصول کیئے اور اگر یہی نوٹ بارہ سونے کی اشرفیوں (Gold Coins) کے عوض بیچا جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اس نے کوئی قابل اعتبار و زیادتی وصول نہیں کی تو سبحان اللہ کیا کہنے اس فتویٰ کے اس کی نظر کس قدر دقیق ہے سود (Usury) کو حرام کرنے میں شرع شریف کا جو مقصود تھا یعنی لوگوں کے مال کو محفوظ رکھنا اس فتویٰ نے اس مقصد کی کس قدر رعایت کی۔ **ولا حول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم**

خلاصہ یہ کہ اس منع کرنے والے کا کلام نہ ہی کسی اصل کی طرف راجع ہے نہ ہی دلیل کی جانب بلکہ یہ ان کا خود ساختہ فہم ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر کوئی دلیل نہیں اتاری اور بے شک تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی پر بھروسا ہے اور اسی سے مدد طلب کی جاتی ہے۔

سوال ۱۲: کیا یہ صورت کہ زید (ایک شخص جس کا فرضی نام زید ہے) عمرو (دوسرا شخص جس کا فرضی نام عمرو ہے) سے قرض لینا چاہے تو عمرو کہے کہ روپے (Silver Coins) تو میرے پاس نہیں البتہ دس کا نوٹ بارہ روپے (Silver Coins) کے عوض تجھے ایک سال تک کے لئے قسطوں پر بیچتا ہوں اس شرط پر کہ تم ہر مہینہ مجھے ایک روپے (Silver Coins) بطور قسط ادا کرو گے جائز ہے یا یہ صورت سود (Usury) کا حیلہ ہونے کی وجہ سے منع ہے اور اگر یہ جائز ہے تو اس میں اور سود (Usury) میں کیا فرق ہے حالانکہ دونوں سے مقصود (Revert) زائد مال کا حصول ہے مگر یہ حلال اور سود (Usury) حرام؟

الجواب: اگر دونوں حقیقۃً بیع ہی کی نیت سے لین دین کریں اور قرض کی نیت نہ کریں تو یہ صورت جائز ہے نیز اس صورت میں کمی بیشی اور مدت معین (Term) تک ادھار بھی جائز ہے جیسا کہ ہم ان باتوں کی تحقیق (Research) بیان کر چکے ہیں اور قسطوں پر دینا بھی ایک قسم کی مدت معین کرنا (Term) ہی ہے ہاں اگر عمرو دس کا نوٹ بطور قرض دے اور یہ شرط ٹھہرا دے کہ بارہ روپے یا گیارہ یا دس روپے سے کچھ زائد رقم ابھی یا کچھ مدت بعد قسط وار یا بلا قسط واپس کرے گا تو یہ ضرور حرام اور سود (Usury) ہے اس لئے کہ یہ ایک ایسا قرض ہے جس سے نفع حاصل کیا جا رہا ہے اور بے شک ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قرض نفع کھینچ کر لائے وہ سود (Usury) ہے اس حدیث کو حارث بن ابو اسامہ نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کیا ہے۔

قرض ادا کرتے وقت اپنی طرف سے زائد دینے کا بیان:

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ قرض دیا اور کچھ زیادہ لینا شرط نہ کیا اور نہ ہی لین دین سے زیادہ لینا معروف تھا کہ جو چیز معروف ہو وہ مشروط کی

طرح ہوتی ہے پھر قرض لینے والے نے قرض ادا کر کے اپنی طرف سے بطور احسان کچھ زائد دیا جو کہ قرض کے علاوہ ممتاز ہو تو یہ جائز ہے اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ اس قبیل سے ہے کہ

هل جزاء الاحسان الا الاحسان ''احسان کا بدلہ کیا ہے سوائے احسان کے''

اور یہ بات سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پاجامہ خرید فرمایا اور وہاں قیمت تول کر دی جاتی تھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تولنے والے سے فرمایا کہ ''تول اور کچھ زیادہ دے'' اسی طرح سے اگر دس کا نوٹ قرض دیا اور قرض خواہ نے کہا کہ میرے پاس اس قسم کا نوٹ نہیں اور میں نوٹ کے بدلے روپے (Silver Coins) دوں گا پھر بارہ روپوں پر صلح ہوئی اور اسی مجلس میں روپے ادا کر دیئے تا کہ طرفین دین کے بدلے دین بیچ کر جدا نہ ہوں۔

تو یہ بھی جائز ہے اب یہاں دو صورتیں ہیں (پہلی) یہ کہ جو نوٹ اس نے لیا تھا اس سے خرچ ہو گیا جب تو اس کے جائز ہونے پر ائمہ ثلاثہ متفق ہیں اور (دوسری) صورت یہ ہے کہ نوٹ تو قرض خواہ کے پاس موجود ہے مگر خاص اسی نوٹ کو روپوں (Silver Coins) سے نہ خریدا تھا بلکہ جو نوٹ ذمہ پر قرض تھا اسے خریدا تو یہ امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے ہاں اگر جو نوٹ قرض لیا تھا موجود ہے اور اسی نوٹ کو بارہ روپوں (Silver Coins) یا دس یا جتنے میں چاہے خرید لے تو یہ بیع امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک باطل ہے اور امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے نزدیک جائز۔

باطل (Viam) ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب زید نے یہ نوٹ قرض لیا تو قرض لیتے ہی زید اس نوٹ کا مالک ہو گیا تو خود اپنی ملکیت کو دوسرے سے کیونکر خرید لے گا وجیز کردری میں ہے جب زید کا کسی پر غلہ یا پیسے قرض ہوں قرض خواہ نے زید سے وہ قرض روپوں کے بدلے میں خرید لیا اور دونوں پر قبضہ کرنے سے پہلے دونوں جدا ہو گئے تو یہ بیع باطل (Viam) ہو گئی یہ وہ مسائل ہیں جن کا یاد رکھنا بہت ضروری ہے۔'' انتہی''

ردالمختار میں ذخیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ قرض دینے والے کا جو غلہ قرض خواہ پر آتا ہے وہ قرض خواہ نے قرضدار سے سو اشرفیوں کے بدلے خرید لیا تو جائز ہے کیونکہ یہ قرض اس پر نہ عقد صرف ۳۴ سے تھا نہ سلم ۳۵ سے پھر اگر وہ غلہ خریداری

کے وقت خرچ ہو چکا تھا پھر تو یہ بالاتفاق جائز ہے کیونکہ خرچ کرنے سے قرض خواہ بالاتفاق قرض کا مالک بن جاتا ہے اور یہ غلہ اس پر قرضدار کو دینا واجب ہو گیا اور اگر غلہ موجود ہے تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک اب بھی جائز ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک ناجائز کیونکہ ان کے نزدیک جب تک قرض خواہ قرض کو خرچ نہ کرلے مالک نہ ہو گا تو اس غلہ کی مثل (Similar) دینا اس کے ذمہ واجب نہیں اب قرض خواہ جو یہ کہے کہ جو کچھ میرے ذمہ ہے میں نے اسے خرید اتو ایسی چیز خریدی جس کا وجود ہی نہیں لہٰذا بیع کی یہ صورت ناجائز ہوئی۔'' انتہی''

نیز ردالمختار میں ذخیرہ کے حوالے سے ہے کہ زید نے کسی سے ایک پیمانہ (Measure) مثال کے طور پر ۱۰ کلو گندم قرض لے کر اس پر قبضہ کر لیا پھر بعینہ وہی گندم قرضدار سے خریدی تو امام اعظم اور امام محمد نے نزدیک یہ نا جائز ہے کیونکہ زید قبضہ کرتے ہی گندم کا مالک ہو گیا تو پھر اپنی ملکیت کسی اور سے کیسے خرید سکتا ہے۔ ہاں امام ابو یوسف کے نزدیک وہ گندم ابھی تک قرضدار کی ملک ہے تو جب زید قرضدار سے وہ گندم خرید لے گا تو غیر کی ملک خریدے گا اور یہ جائز و صحیح ہے۔'' انتہی''

سود سے بچنے کی ترکیبیں:

جہاں تک سود (Usury) سے بچنے کے لئے حیلہ کرنے (Stratagem) کا تعلق ہے تو اس کے بیان میں ہم نے تمہیں کافی کچھ سنا دیا وہی کفایت کرے گا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی گذرا کہ بیع عینہ (Sale on Creadit) جائز ہے اور اس کا کرنے والا ثواب پائے گا کیونکہ حرام سے بچنا چاہتا ہے۔'' انتہی''

اور ان کا یہ قول بھی گذر چکا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بھی عینہ کیا اور اس کی تعریف بھی فرمائی اور فتاویٰ قاضی خان کا قول گزرا کہ اس کے مثل عمل کرنا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے کرنے کا حکم دیا تو اب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کی اجازت کے بعد اسے منع کرنے والا کون ہے۔

اور بحر الرائق میں قنیہ کے حوالے سے مذکور ہے کہ خرید و فروخت کی وہ اقسام جنہیں لوگ سود (Usury) سے بچنے کے لئے کرتے ہیں ان میں کوئی حرج نہیں پھر ایک عالم صاحب کا قول لکھا کہ وہ انہیں مکروہ کہتے ہیں امام بقالی بیع کی ان اقسام کے مکروہ ہونے کو امام محمد سے روایت کرتے ہیں اور امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک ان میں کچھ حرج نہیں امام شمس الائمہ زرنجری فرماتے ہیں کہ امام محمد کا اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ قرض دے کر پھر اس قسم کی بیع کریں اور اگر بیع ہو گئی پھر روپے دیئے تو اس میں بالاتفاق کوئی حرج نہیں۔'' انتہی''

اسی طرح امام شیخ الاسلام خواہر زادہ نے قرض میں بیع کی شرط نہ ہونے کی صورت میں ان اقسام کے جائز ہونے پر اتفاق نقل فرمایا ہے لہٰذا جب نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکی تعلیم صحابہ کرام سے اسے کرنا اور اس کی تعریف ثابت اور ہمارے ائمہ کا اس کے جواز پر اجماع قائم ہے تو اب شک کی کونسی جگہ باقی رہے۔ واللہ الھادی الصواب

میں کہتا ہوں کہ یہ بھی اسی صورت میں ہے کہ بیع اور قرض دونوں اس طرح سے جمع ہوں کہ زید عمرو کو کچھ روپے قرض دے اور تھوڑی سی چیز اسے زیادہ قیمت میں بیچے تو قرض خواہ قرض کی ضرورت کی بنا پر اسے خریدے گا اس صورت میں اگر عمرو نے قرض پہلے دے دیا تھا تو بعض علماء کے نزدیک یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ ایسا قرض ہے جو نفع کھینچ کر لا رہا ہے اور اگر بیع پہلے ہو چکی تھی اور قرض بعد میں دیا تو بالاتفاق اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ایک ایسی بیع جو قرض کا نفع لائی جیسا کہ امام شمس الائمہ حلوانی نے اس کا افادہ **(Statment)** فرمایا اور اسی پر فتوئ دیا جیسا کہ ردالمحتار میں مذکور ہے۔ اور وہ مسئلہ جو ہمارا موضوع بحث ہے یعنی نوٹ تو یہ ایک خالص بیع ہے اس میں قرض اصلاً نہیں نہ لین دین سے پہلے اور نہ ہی بعد میں لہٰذا اس کا بالاتفاق جائز ہونا ہی مناسب تر ہے۔

اس قسم کے حیلے کا قرآن و حدیث سے ثبوت:

اگر تم حیلہ کے مسئلہ میں مزید وضاحت کے طلب گار ہو تو سنو ہمارا رب عزوجل اپنے بندہ ایوب علیہ السلام سے فرماتا ہے۔

خذبیدک ضغثا فاضرب بہ ولا تحنث

''اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے اس سے مار اور قسم نہ توڑ''

اور ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سود **(Usury)** سے بچنے کا حیلہ **(Stratagem)** اور ایسا طریقہ بیان فرمایا کہ مقصود بھی حاصل ہو جائے اور حرام سے بھی محافظت رہے بخاری و مسلم کی حدیث ہے ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس برنی کھجوریں لے کر حاضر ہوئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم نے یہ کہاں سے لیں بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی حضور میرے پاس خراب چھوہارے تھے میں نے دو صاع ۲۶ خراب چھوہاروں کے بدلے ایک صاع برنی کھجوریں خریدیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اف یہ تو خالص سود ہے اف خالص سود ہے ایسا نہ کرو۔ مگر جب تم ان (کھجوروں) کو خریدنا چاہو تو (پہلے) اپنے چھوہاروں کو کسی اور چیز کے بدلے میں بیچ کر اس شے کے بدلے ان (کھجوروں) کو خریدو۔

نیز بخاری و مسلم نے حضرت ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنھما دونوں سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر پر گورنر بنا کر بھیجا وہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جنیب (اعلیٰ قسم کی کھجور) کھجوریں لے کر حاضر ہوا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا خیبر کی تمام کھجوریں اسی طرح کی ہی ہیں عرض کی نہیں خدا کی قسم یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ہم اس قسم کی کھجوروں کا ایک صاع دو صاع کے بدلے میں دو صاع تین صاع کے بدلے میں خریدتے ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کرو اپنے چھوہارے روپوں کے بدلے میں بیچ کر روپوں سے یہ جنیب کی کھجوریں خریدا کرو۔

تو میں کہتا ہوں کہ جن لوگوں نے بیع کی اس صورت کو مکروہ کہا جیسے امام محمد تو اس کی وجہ جیسا کہ فتح القدیر اور ایضاع و محیط کے حوالوں سے گزرا یہ ہے کہ لوگ اس کی طرف راغب ہو کر کسی ناجائز کام میں نہ پڑ جائیں جیسا کہ ہمارے زمانہ میں معاملہ بالکل الٹا ہو گیا ہے اور ہندوستان میں سود **(Usury)** کا اعلانیہ لین دین ہونے لگا ہے لوگ اس سے بالکل نہیں شرماتے گویا یہ ان کے نزدیک کوئی حرام ہی نہیں لہٰذا وہ عالم دین جو ان لوگوں کو سود **(Usury)** جیسی بلائے عظیم اور سخت کبیرہ گناہ سے بچا کر سود **(Usury)** سے بچاؤ کے جائز حیلوں **(Stratagems)** کی طرف لے آئے یقیناً مسلمانوں کا خیر خواہ ہے اور دین ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے ہی کا نام ہے لوگ اگر چہ گناہوں میں مبتلا ہیں مگر اسلام تو الحمدللہ باقی ہے لہٰذا جب مسلمان ایسی بات سنیں گے کہ ان کا مقصد بھی نکل آئے اور وہ حرام کا ارتکاب کرنے سے بھی محفوظ رہیں تو وہ ایسا کیوں نہ کریں گے انہیں شریعت و اسلام سے کوئی دشمنی تو نہیں۔ اور مشائخ بلخ مثلاً امام محمد بن سلمہ وغیرہ نے تاجروں سے کہا کہ بیع عینہ **(Sale On Credit)** جو کہ حدیث میں مذکور ہے تمہاری ان بیعوں سے بہتر ہے محقق علی الاطلاق فرماتے ہیں کہ امام محمد بن سلمہ نے صحیح فرمایا کیونکہ بیع فاسد حرام ہے اور غصب کے حکم میں ہے اور بیع عینہ **(Sale On Credit)** تو صحیح ہے اور اس کے مکروہ ہونے میں بھی اختلاف ہے باقی رہا یہ گمان کہ اگر بیع کی یہ صورت منع نہیں تو اس میں اور سود **(Usury)** میں کیا فرق ہے حالانکہ زیادتی دونوں میں حاصل ہوتی ہے تو میں اس کا جواب یوں دوں گا کہ یہ وہ اعتراض **(Objection)** ہے جو کفار نے کیا تھا تو خود اللہ رب العزت نے اس کا جواب قرآن پاک میں دیا تھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' قالوا انما البیع مثل الربو و احل اللہ

البیع وحرم الربوٰ‘‘ کا فربولے کہ بیع بھی تو سود (Usury) کی طرح ہے حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال فرمادیا اور سود (Usury) کو حرام کیا) معترض نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے نفع وہیں حلال کیا ہے جہاں دو مختلف جنسوں کی خرید وفروخت ہو اور اگر یہ صورت بھی حرام ہو جائے تو خرید وفروخت کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

وھاب جل جلالہٗ کی توفیق سے جواب مکمل ہوا والحمدللہ اولا واخرا و باطنا وظاھرا اور میں نے اس کا نام ’’کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس ۱۳۲۴ھ الدراھم‘‘ رکھا تا کہ نام سن تصنیف پر دلالت کرے۔

فقیر نے اس رسالہ کی ابتدا ہفتہ کے دن کی تھی پھر اتوار کے دن بخار ہو گیا لہٰذا پیر کے دن ۲۳ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ دوپہر کو یہ رسالہ تمام کر دیا۔

یہ رسالہ مکہ مکرمہ میں مصلائے حنفی کے امام عالم باعمل فاضل کامل مولانا شیخ عبداللہ بن شیخ الخطباء اور حضرت شیخ احمد ابوالخیر کی خواہش پر لکھا اللہ تعالی ہر نقصان سے ان دونوں کو محفوظ رکھے اور ہر بھلائی سے انہیں حصہ عطا فرمائے اور ہمارے گناہوں کو معاف فرما کر ہمارے عیبوں کو چھپائے اور ہمارے بوجھ ہلکے کرے اور ہماری تمنائیں پوری فرمائے اور ہمیں بار بار اپنے عزت والے گھر اور نبی رؤف ورحیم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے مزار مقدس کی طرف لوٹنا نصیب فرمائے اور آخر میں ایمان کے ساتھ مدینہ منورہ میں مرنا اور بقیع میں دفن ہونا اور بلند مرتبہ والے شفیع صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے۔ آمین

اللھم صل علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم اجمعین

والحمدللہ رب العالمین

کتبہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمد المصطفیٰ النبی الامی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم

محمدی سنی حنفی قادری ۱۳۰۱ھ

عبدالمصطفیٰ احمد رضا خان

حامئ سنت ماحئ بدعت جناب مولانا مولوی شاہ محمد ارشاد حسین صاحب رام پوری رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا فتویٰ

ســـــوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ آجکل جو نوٹ رائج ہیں ان کی مالیت سے کم یا زیادہ قیمت پر ان کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ھو الملھم للصواب

’’بے شک اللہ عزوجل ہی درستگی کا الہام فرماتا ہے‘‘

مذکورہ نوٹ کی کم یا زیادہ قیمت پر خرید وفروخت جائز ہے کیونکہ گورنمنٹ نے اسے مال قرار دیا ہے اور جس چیز کو قوم کی اصطلاح (Terminology) میں مال قرار دیا جائے چاہئے اصل (Ascendent) میں اس کی ثمنیت اور مالیت ثابت نہ ہو لیکن قوم کے اسے ثمن (Currency) قرار دینے سے اس میں ثمنیت اور مالیت ثابت ہو جاتی ہے نیز اسے اس کی مالیت سے کم یا زیادہ قیمت پر بیچنا بھی جائز ہے ہدایہ میں ہے کہ امام اعظم اور امام ابو یوسف رضی اللہ عنہما کے نزدیک ایک پیسے کو دو معین پیسوں کے عوض بیچنا جائز ہے جبکہ امام محمد فرماتے ہیں کہ جائز نہیں کیونکہ کسی چیز کی ثمنیت تمام لوگوں کے اسے ثمن (Currency) قرار دینے سے ثابت ہوتی ہے لہٰذا یہ اصطلاح (Terminology) فقط بائع ومشتری کی اصطلاح سے باطل نہ ہوگی اور شیخین یہ دلیل پیش فرماتے ہیں کہ بائع ومشتری کے حق میں کسی چیز کا ثمن (Currency) ہونا فقط انہی کی اصطلاح (Terminology) سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ ان دونوں پر کسی غیر کو کوئی ولایت (Guardian Ship) حاصل نہیں لہٰذا ان دونوں کی اصطلاح (Terminology) سے اس چیز کی ثمنیت باطل ہو جائے گی اور جب ثمنیت باطل ہو گی تو تعیین کرنے سے وہ چیز معین بھی ہو جائے گی۔ ’’انتہی‘‘

لہٰذا جب نوٹ میں جو کہ اصل میں کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے ثمنیت ثابت ہو گئی تو کم وزیادہ قیمت پر اس کی خرید وفروخت بھی جائز ہے رد المحتار کے باب العینہ میں ہے یہاں تک کہ اگر کوئی کاغذ کا ایک ٹکڑا ایک ہزار کے عوض بیچے تو یہ بلا کراہت جائز ہے۔ ’’انتہی‘‘ واللہ اعلم وعلمہ اتم العبد المجیب محمد ریاست علی عفی عنہٗ۔

☆☆☆☆☆